ماہنامہ
طلوعِ اسلام
لاہور
قرآنی نظامِ ربوبیت کا پیامبر

جولائی 2012ء

مذہب اور دین کا تقابلی جائزہ

مذہب	دین
1-مذہب' خدا اور بندے کے درمیان پرائیویٹ تعلق اور داخلی تجربہ کا نام ہے۔	دین اجتماعی نظام زندگی اور خارجی حقیقت ہے۔
2-مذہب میں ہر فرد اپنے طور پر مطمئن ہو جاتا ہے کہ اس کا خدا کے ساتھ رشتہ قائم ہو گیا ہے۔	دین میں معاشرہ کا انداز اور آئین بتا سکتے ہیں کہ وہ قوانین خداوندی کے مطابق متشکل ہوا ہے یا نہیں۔
3-مذہب میں ہر فرد کا منتہیٰ اپنی اپنی نجات ہوتا ہے۔	دین کا مقصود عالمگیر انسانیت کی فلاح و بہبود ہوتا ہے۔
4-مذہب میں کوئی خارجی معیار ایسا نہیں ہوتا جس سے پرکھا جا سکے کہ انسان کے اعمال صحیح نتائج پیدا کر رہے ہیں یا نہیں۔	دین میں اجتماعی زندگی کے نتائج ساتھ کے ساتھ بتاتے چلے جاتے ہیں کہ ملت صحیح راستے پر چل رہی ہے یا نہیں۔
5-مذہب انسان کو مختلف فرقوں میں تقسیم کر دیتا ہے اور اس میں ہر فرقہ اپنے آپ کو حق پر سمجھ کر خوش ہوتا ہے۔	دین میں تفرقہ کو شرک کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ پوری نوعِ انسانی سے مخاطب اور اس کا رب' رب العالمین اور رسول رحمتہ للعالمین کا مقام رکھتے ہیں۔
6- مذہب عوام کے جذبات کے پیچھے چلتا ہے اور ان کی تسکین کا سامان فراہم کئے چلا جاتا ہے۔اس لئے اس کی تعلیم یہ ہے۔ زمانہ با تو نہ سازد تو با زمانہ بساز	دین' انہیں حقائق کے پیچھے چلاتا ہے اور ان کے سطحی جذبات کی تسکین کی بجائے ان پر قابو پانے کی تعلیم یوں دیتا ہے۔ زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ ستیز
7-مذہب انسان کے دل میں ہر وقت خوف پیدا کرتا رہتا ہے اور اپنی ہر بات ڈر سے منواتا ہے۔	دین خوف کو شرک قرار دیتا ہے اور انسان کے دل کو جرأت اور بے باکی کا مسکن بناتا ہے۔
8-مذہب کشمکش حیات سے فرار سکھاتا ہے۔	دین زندگی کے حقائق کا مردانہ وار مقابلہ کرتا ہے۔

فہرست

لمعات: (حکمران (طبقہ) اوران کے اہل وعیال)	ادارہ	3
اقبالؒ اور پرویزؒ	ادارہ	5
امریکہ میں اشاعتِ اسلام	خواجہ ازہر عباس، فاضل درس نظامی	18
ہَوس چُھپ چُھپ کے سینوں میں بنالیتی ہے تصویریں!	محمد صدیق بٹ	24
(لغات القرآن) ج ھ ل، جہنم	غلام احمد پرویزؒ	25
بچوں کے لئے اسلامی اور معلوماتی کہانی	عارف محمود کسانہ، سویڈن	30
واللہ خیر الماکرین	عطاء الحق قاسمی	33
اعلیٰ تعلیم کا مستقبل۔ بھارت، پاکستان	ڈاکٹر عطاء الرحمٰن	37
حسین یادوں کے اُجلے چراغ	راجہ عبدالعزیز خان، دھیرکوٹ، آزاد کشمیر	41
دروسِ سورۃ النساء	عبداللہ ثانی، پشاور	44

ENGLISH SECTION

Surah Al-Mulk (Introduction and Verses 1-4), (Durus-al-Quran, Parah 29:Chapter 1)
By G.A. Parwez, Translated by Dr. Mansoor Alam 1

طلوعِ اسلام کا لٹریچر یہاں سے دستیاب ہے

نیچے درج کئے گئے کتب خانوں سے طلوع اسلام ٹرسٹ کی تمام کتب، دروس القرآن کی تمام جلدیں، اسلامی کتابیں اور لائبریری کے لئے تمام موضوعات پر ہمہ قسم کتب رعایتی نرخوں پر خریدنے کے لئے تشریف لائیں۔

1- کلاسک بک سیلرز، 42، دی مال (ریگل چوک)، لاہور۔	فون: 042-37312977، موبائل: 0300-4442226
2- سانجھ بک سیلرز، بک اسٹریٹ 46/2، مزنگ روڈ، لاہور۔	موبائل: 0333-4051741
3- مسٹر بکس، بک سیلرز، سپر مارکیٹ، اسلام آباد۔	فون: 051-2824805-2278843
4- البلال بک ڈپو، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0344-2502141	5- شہباز بک ایجنسی، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32632664
6- مذہبی کتب خانہ، اردو بازار، کراچی۔ موبائل: 0331-2716587	7- شاہ زیب انٹر پرائزز، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32214259
8- علمی کتاب گھر، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32628939	9- مکتبہ دارالسلام، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32212269
10- مکتبۂ دارالقرآن، اردو بازار، کراچی۔	11- محمد علی، کارخانہ اسلامی کتب، اردو بازار، کراچی۔ فون: 021-32631056
12- ایوانِ کتب، اردو بازار، لاہور، فون: 0321-8836932	

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

لمعات

حکمران (طبقہ) اوران کے اہل وعیال
(قرآن کی روشنی میں)

چوہدری پرویز الٰہی کے بیٹے مونس الٰہی اور وزیراعظم یوسف رضا گیلانی کے بیٹوں کے بعد اب پاکستانی قوم کی مبینہ آخری امید کی کرن جناب چیف جسٹس صاحب کے فرزند عزیز کی بدعنوانیوں کی داستان بھی چھڑ چکی۔

آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا؟

جناب چیف جسٹس صاحب کے ریمارکس کہ انہیں معلوم ہی نہیں تھا کہ ان کے فرزند کیا کاروبار کرتے ہیں اور دیگر تجزیہ کاروں کے تجزیات سن کر لامحالہ ذہن قرآن اور قرآنی حکومت کے ابتدائی دور کی طرف لوٹ جاتا ہے۔

جیسا کہ ہم گذشتہ لمعات میں حضرت عمرؓ کے حوالے سے استثناء یا Immunity کے متعلق عرض کر چکے ہیں۔ یہاں بھی بے اختیار اسی خلیفۂ راشد کے ''آثار'' نگاہوں کے سامنے آجاتے ہیں۔

حضرت عمرؓ کے مطابق سربراہانِ مملکت کا احتساب ان کی ذات تک محدود نہیں ہونا چاہئے اس میں ان کے اہل و عیال بھی برابر کے شریک ہونے چاہئیں۔ قرآن کریم نے جو بعض بیوی بچوں کو انسان کا دشمن (64:14) اور مال اور اولاد کو فتنہ (64:15) کہا ہے تو یہ خطرناک گھاٹی انؓ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھی۔ چنانچہ آپؓ کا دستور تھا کہ:

> جب لوگوں کو کسی بات سے منع کرتے تو اپنے گھر والوں کو جمع کر کے ان سے کہتے کہ میں نے لوگوں کو فلاں فلاں چیز سے منع کیا ہے۔ یاد رکھو! لوگ تمہاری طرف اس طرح دیکھ رہے ہیں جس طرح پرندہ گوشت کی طرف دیکھتا ہے۔ اگر تم بچ گئے تو وہ بھی بچیں گے اور اگر تم پھنسو گے تو وہ بھی پھنسیں گے۔

اگر تم میں سے کسی شخص نے ان باتوں کا ارتکاب کیا تو خدا کی قسم! میں اپنے ساتھ تمہارے تعلق کی وجہ سے تمہیں دُگنی سزا دوں گا۔ اب تمہیں اختیار ہے' جو چاہے حدود سے تجاوز کرے' جو چاہے ان کے اندر رہے۔

اور یہ ''دگنی سزا'' کا فیصلہ قرآن کریم کے اس ارشاد کے مطابق تھا جس میں نبی اکرم ﷺ کی ازدواج مطہراتؓ سے کہا گیا تھا کہ یاد رکھو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ تم میں سے جو کسی جرم کی مرتکب ہوگی اسے دُگنی سزا ملے گی (33:30) حضرت عمرؓ نے اپنے ارشاد گرامی سے اس نکتہ کی وضاحت کر دی کہ قرآن کا وہ حکم' مملکت اسلامیہ کے ہر سربراہ پر یکساں عائد ہوتا ہے۔

یہ تھا مملکت کی ذمہ داریوں کا احساس جس کے پیشِ نظر آپ نے مصر کے قاصد (حضرت) معاویہ بن خدیجؓ سے کہا تھا کہ تم نے خیال کیا کہ دوپہر کا وقت ہے۔ امیر المومنین اس وقت قیلولہ فرما رہے ہوں گے۔ معاویہؓ! جس کے ذمے مملکت کے فرائض ہوں' دن تو ایک طرف اسے رات کے وقت بھی نیند نہیں آ سکتی۔

ہم نے خلیفۂ راشد حضرت عمرؓ کے الفاظ اور قرآنِ کریم کی متعلقہ آیات کے حوالے اس لئے درج کر دیئے ہیں کہ چیف جسٹس چوہدری محمد افتخار صاحب نے اس کیس کی پہلی سماعت میں ریمارکس دیتے ہوئے فرمایا تھا کہ وہ فیصلہ ''قرآنِ کریم'' کی روشنی میں دیں گے۔ یہ بات نہایت خوش آئند ہے۔ یقین جانئے اگر ہماری عدالتوں میں فیصلے صرف اور صرف قرآن کریم کی روشنی میں ہونے لگیں تو اس ملک کو جنت نظیر اور بہشت مثال بننے سے دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔

اس ضمن میں مزید دلچسپ بات جو سامنے آئی ہے وہ ملک ریاض صاحب کا ''قرآن اٹھا کر'' پریس کانفرنس کرنا ہے۔ ہماری رائے میں قرآن محض اٹھانے کے لئے نازل نہیں ہوا بلکہ یہ ایک بہترین رہنمائی کی کتاب ہے۔ مسلمان ہونے کے ناطے ہم قرآنِ حکیم کو سمجھ کر پڑھنے اور اس کی ابدی ہدایات پر عمل پیرا ہونے کے مکلّف ہیں۔

ہمارے خیال میں ابتداءً قرآنِ کریم ہاتھوں میں لے کر یا سر پر رکھ کر علامتاً اس بات کا اعلان کیا جاتا ہوگا کہ ہمارے لئے صرف اور صرف قرآن ہی کا فیصلہ قابلِ قبول ہوگا۔ آہستہ آہستہ یہ مقصد آنکھوں سے اوجھل ہو گیا اور بدقسمتی سے قرآن صرف سر پر رکھنے کے لئے ہی رہ گیا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

اِقبالؒ اور پرویزؒ

پرویزؒ صاحب کی تمام کتابوں اور تحریروں کو اگر اقبالیاتِ پرویز کا نام دے دیا جائے تو غلط نہ ہوگا۔ اقبالؒ کی شاعری پر ان کے لیکچرز تو اور بھی خاصے کی چیز ہیں۔ زبان و بیانِ پرویز اور زیرِ درس اقبالؒ کے اشعار ہوں تو سونے پر سہاگہ ہو جاتا ہے۔ اقبالؒ اور پرویزؒ کے موضوع پر خود پرویز صاحب کی تحریروں کے اقتباسات پیش کر دیے جائیں تو غیر موزوں نہ ہوگا۔ ذیل میں کچھ اقتباسات پیشِ خدمت کئے جا رہے ہیں جو متعدد کتابوں اور مقالوں میں جا بجا بکھرے ہوئے ہیں' ان اقتباسات سے ان دونوں عظیم شخصیات کے باہمی تعلقات کا ایک واضح خاکہ سامنے آ جائے گا۔

علامہ اقبالؒ سے پرویزؒ صاحب کا ابتدائی تعارف

پرویز صاحب نے اپنی تصنیف ''تصوف کی حقیقت'' میں اقبال سے اپنے ابتدائی تعارف کی کہانی کچھ اس طرح بیان کی ہے۔

> مجھ پر مبداءِ فیض کی ایک اور نگہِ تلطف یہ تھی کہ دادا جانؒ بڑے وسیع المشرب اور کشادہ نگاہ واقع ہوئے تھے۔ اس کا مجھے کس طرح فائدہ پہنچا' اس کا اندازہ ایک واقعہ سے لگائیے۔ جب علامہ اقبالؒ کی مثنوی اسرارِ خودی شائع ہوئی تو اہلِ تصوف کی طرف سے اس کے خلاف طوفان برپا کر دیا گیا' کیونکہ اس میں مسلکِ وحدت الوجود پر بالعموم اور حافظؔ پر بالخصوص کڑی تنقید کی گئی تھی۔ (اس معرکہ کا تفصیلی ذکر آپ کو متنِ کتاب میں ملے گا)۔ دادا جانؒ خود وحدت الوجودی اور حافظؔ کے مداح تھے۔ اس اعتبار سے انہیں ان کا ساتھ دینا چاہئے تھا جو اقبالؒ کے خلاف ہنگامے برپا کر رہے تھے۔ لیکن انہوں نے' نہ صرف یہ کہ ایسا نہیں کیا بلکہ اپنی وسعتِ قلب کا ایک اور انداز سے ثبوت دیا۔ انہوں نے مثنوی اسرارِ خودی کو سبقاً سبقاً مجھے خود پڑھایا' اور اس انداز سے کہ حضرت علامہؒ کی علمی عظمت اور

احترام میرے دل کی گہرائیوں میں اتر گئے۔ یہ اقبالؒ کے ساتھ میرا پہلا قلبی تعارف تھا۔ میں اکثر سوچا کرتا ہوں کہ اگر وہ مجھے مسلکی تعصب کی تنگ نگہی کے ساتھ مثنوی پڑھاتے تو (اس شاخِ سرسبز کی سی عمر میں) میرے قلب کی گہرائیوں میں علامہ اقبالؒ کا کس قسم کا تصور جاگزیں ہوتا اور میں زندگی کی کتنی بڑی عظیم اور بے بہا متاع سے محروم رہ جاتا! اتنا ہی نہیں! دادا جانؒ نے میری نگاہ کا رُخ کس طرح دانشکدۂ اقبالؒ کی طرف موڑ دیا' اس کا ذکر ذرا آگے چل کر آئے گا۔ ایسا نظر آتا ہے کہ علامہ اقبالؒ کے ساتھ ان کے روابط تھے' یا وہ (کم از کم) باہمد گر متعارف تھے۔ مجھے اب تک یاد ہے کہ دادا جانؒ نے مثنوی کے جس نسخہ کو مجھے پڑھایا تھا' اس پر حضرت علامہ کے دستخط ثبت تھے۔ بہرحال' حقیقت کچھ بھی ہو' علامہ اقبالؒ کا ابتدائی نقش جو میرے قلب و دماغ پر مرتسم ہوا' اس نے میری زندگی میں بہت بڑا انقلاب پیدا کر دیا۔

لیکن میں نے ابھی تک فطرت کی اس منفرد نوازش کا ذکر نہیں کیا جس نے مجھے وہ کچھ بنا دیا جو کچھ میں اب ہوں۔ یعنی آفتاب قرآنی کے ساتھ نسبت رکھنے والا ایک ذرۂ خاک۔۔۔ اور اس پر میں جس قدر بھی فخر و ناز کروں' کم ہے۔ وہ نوازشِ خصوصی یہ تھی کہ مجھے تنقیدی نگاہ بھی عطا کر دی گئی تھی۔ اس کا نتیجہ یہ تھا کہ میں کسی بات کو اس وقت تک تسلیم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تھا جب تک میرا قلب و دماغ مطمئن نہ ہو جائے۔ تنقیدی نگاہ کے نشتر کی خلش کا سلسلہ اسی زمانہ میں شروع ہو گیا اور دلائل طلبی گویا میرا علمی معمول بن گیا تھا۔

(تصوف کی حقیقت' باب رسم و رہ منزلہا' صفحات' غ۔ف)

پرویزؒ صاحب کی علامہ اقبالؒ سے ملاقاتیں

''جب میں لاہور آنے لگا تو دادا جانؒ نے مجھے (لاہور میں) ''دو بزرگوں'' سے ملنے کی تاکید فرمائی۔ ایک امام الدین نجار جو نواں کوٹ کے گاؤں میں رہتے تھے (اور کہا جاتا تھا کہ وہ لاہور کے قطب ہیں) اور دوسرے علامہ اقبالؒ جن سے انہوں نے مجھے' ذہنی طور پر پہلے متعارف کرا رکھا تھا۔ اول الذکر بزرگوار سے تو میں ایک آدھ مرتبہ ہی ملا' لیکن حضرت علامہؒ کی خدمت میں بازیابی کے

مواقع زیادہ حاصل ہوئے' اب جو اس زمانے میں ان کی خدمت میں حاضری کی جرأت پر نگہٴ بازگشت ڈالتا ہوں تو دل ہی دل میں محجوب سا ہو جاتا ہوں۔ کہاں علامہ اقبالؒ اور کہاں ایک اٹھارہ بیس سال کا نووارد' گمنام سا طالب علم! چہ نسبت خاک را با عالم پاک! لیکن حضرت علامہ کی ایک خصوصیت یہ بھی تھی کہ وہ کسی ملنے والے کے دل میں اپنی بلندیٴ مقام کا احساس نہیں پیدا ہونے دیا کرتے تھے۔ وہ بہت جلد اس کے ''یار'' بن جایا کرتے اور یوں بعدِ مرتبت کا احساس مٹا دیا کرتے تھے۔

جہاں تک امورِ شریعت کا تعلق ہے' میں نے حضرت علامہ سے قرآن فہمی کا طریق اخذ کر لیا۔ اس کے بعد میں قرآن اور دین کے سلسلے میں جو کچھ کر سکا ہوں' وہ سب اسی کا نتیجہ ہے۔ مجھ ذرہٴ ناچیز پر ان کا یہ اتنا بڑا احسان ہے جس سے میں کبھی عہدہ برآ نہیں ہو سکتا۔''

(ایضاً۔ صفحات' ق۔ک)

ماہنامہ طلوعِ اسلام' قائداعظمؒ اور اقبالؒ

محمد عمر دراز صاحب ''مجلسِ اقبال'' کے آغازِ سخن میں چوہدری حبیب الرحمٰن کی کتاب ''اقبالؒ قائداعظمؒ پرویزؒ' مودودی اور تحریکِ پاکستان'' کے حوالہ سے بیان کرتے ہیں:

حضرت قائداعظمؒ نے جب حصولِ پاکستان کے لئے اپنی تحریک کا آغاز کیا تو انہیں' خلافِ توقع ایک ایسے محاذ پر بھی مخالفتوں کا سامنا کرنا پڑا جو ان کے اپنے (سیاسی) دائرہ عمل سے باہر تھا۔ یہ مخالفت تھی ان مسلمان نیشنلسٹ علماء کی طرف سے جو ہندو کانگرس کی وظیفہ خوری میں' اپنی قوم کی تمام تر متاع' ہندو کے ہاتھ بیچ ڈالنے کے در پے تھے۔ قائداعظمؒ نے' تحریک پاکستان کی اس محاذ سے مخالفت کے سدباب کی ذمہ داری جناب غلام احمد پرویزؒ کے سپرد کی۔ میاں بشیر احمد صاحب نے بتایا کہ قائداعظمؒ کے اس انتخاب کے محرک علامہ اقبالؒ تھے۔ آپ نے پرویز صاحب کا نام اپنے مذکورہ باہمی تعلقات اور پرویزؒ صاحب کی فہم قرآن سے متعلق اپنی ذاتی معلومات کی بنا پر تجویز کیا تھا۔ چنانچہ قائداعظمؒ کی تفویض کردہ اس ذمہ داری کی ادائیگی کے لئے 1938ء میں ماہنامہ طلوع اسلام کا دہلی سے آغاز نو

ہوا۔ اس زمانے کی طلوع اسلام کی فائلیں اس پر شاہد ہیں کہ پرویزؒ صاحب نے کس مہارت اور جانفشانی سے مجوزہ مملکت پاکستان کی دینی اہمیت اور اس کے حصول کی ضرورت کو قوم کے سامنے پیش کیا۔ حضرت قائداعظمؒ اور ان کے رفقاء کی کوششوں کو بارگاہ ایزدی سے شرف پذیرائی ملا اور 14 اگست 1947ء کو نئی مملکت پاکستان دنیا کے نقشہ پر ابھری جبکہ مخالفین پاکستان کے حصہ میں روسیاہی، ندامت اور شکست کے سوا اور کچھ نہ آیا۔ پرویزؒ صاحب کی یہ مساعی جمیلہ اب ''تحریک پاکستان اور پرویز'' نامی کتاب میں یکجا کر دی گئی ہیں۔ مزید برآں پرویز صاحب کی تحریک حصول پاکستان کے سلسلہ میں گراں قدر خدمات کے اعتراف میں انہیں حکومت کی طرف سے ''تحریک پاکستان گولڈ میڈل'' بھی پیش کیا جا چکا ہے۔ یہ ہے علامہ اقبالؒ اور قائداعظمؒ سے پرویزؒ صاحب کے تعلقات اور تحریک پاکستان میں ان کی قومی خدمات کی ایک ہلکی سی جھلک۔

(مجلسِ اقبال از پرویز، صفحات ط۔ظ)

علامہ اقبالؒ سے پرویزؒ صاحب کی آخری ملاقات

اس ملاقات (جنوری 1938ء) کا احوال پرویزؒ صاحب نے خود اپنے قلم سے تفصیلاً تحریر کیا ہے جو کہ ان کی تصنیف ''اقبالؒ اور قرآن'' میں شامل ہے اس موقعہ پر انہوں نے اقبالؒ سے ان کی تصنیف ''جاوید نامہ'' سے متعلق بھی گفتگو کی۔ اس گفتگو کا ایک اقتباس ذیل میں درج کرنا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

جاوید نامہ کے متعلق کچھ ذکر آیا تو میں نے عرض کیا کہ دربارِ فرعون کے ساحر جن کی قوتِ ایمانی استبدادِ فرعون کا دندان شکن جواب ہے، انہیں جاوید نامہ میں ضرور جگہ ملنی چاہئے تھی۔ فرمایا کہ جاوید نامہ میں تو بہت سی چیزیں لکھنے سے رہ گئیں۔ جی چاہتا تھا کہ کہیں سید احمدؒ (بریلوی) اور سید احمد (دہلوی)، (سرسید) کی روحوں کو بھی اکٹھا کر دوں۔ یہ بھی نظر انداز ہو گیا اور بھی بہت سی باتیں میں نے نوٹ کر کے رکھی تھیں۔ اب کسی اور موقع پر ان کو لکھوں گا۔

(اقبال اور قرآن، صفحات 99-98)

''تبویب القرآن'' کی ترتیب میں اقبالؒ کی راہنمائی

لغات القرآن کے دیباچہ میں تحریر فرماتے ہیں:

میں قرآن کریم کا طالب علم ہوں۔ میری زندگی' بچپن سے لے کر اس وقت تک' اس کتاب عظیم کے ساتھ متمسک رہی ہے۔ ابتداءً میں نے بھی (جیسا کہ ہمارے ہاں کا معمول ہے) اس کا مطالعہ تقلیدی اور رواجی انداز سے کیا لیکن اس سے کچھ بات نہ بنی۔ بعد میں جب میرے شعور میں انقلاب آیا اور میں نے ان راستوں پر تنقیدی نگاہ ڈالی تو یہ حقیقت سامنے آئی کہ

منزل و مقصود قرآں دیگر است
رسم و آئینِ مسلماں دیگر است

یہ میرے بخت کی یاوری تھی کہ عین اس وقت جب میں اس ذہنی کشمکش میں مبتلا تھا علامہ اقبالؒ کی بصیرتِ قرآنی سے (من جملہ دیگر امور) یہ اہم نکتہ میری سمجھ میں آیا کہ قرآن کریم کو عربی زبان اور تصریف آیات کی رو سے سمجھنا چاہئے اور اس پر خارجی عناصر کو اثر انداز نہیں ہونے دینا چاہئے۔

''تصریف آیات'' کی رو سے قرآن کریم کو سمجھنے کے لئے تبویب القرآن کی ضرورت تھی۔ یعنی ایک موضوع سے متعلق' قرآن کریم کی تمام آیات کو یکجا کر کے انہیں مربوط مضمون کی شکل میں مرتب کرنا۔ اگرچہ تبویب القرآن کے متعلق اس سے پہلے بھی کوششیں ہوئی تھیں لیکن جو خاکہ علامہ اقبالؒ کے پیش نظر تھا' اور جس کی تفصیل انہوں نے مجھے بتائی تھی' اس کے مطابق کوئی کتاب مجھے نہ مل سکی۔ اس کے لئے ایک نئی کتاب کی تدوین کی ضرورت تھی۔ میں نے بڑی کوشش کی کہ کوئی جماعت' یا مجھ سے زیادہ موزوں فرد' اس اہم کام کے لئے تیار ہو جائے' لیکن ایسا نہ ہو سکا۔ اور بالآخر یہ اہم کام مجھے خود ہی کرنا پڑا۔ اس کے لئے میں نے سینکڑوں عنوانات کے ماتحت قرآنی آیات کی تبویب (Classification) کی۔

(لغات القرآن' پیش لفظ' صفحات 20-19)

مجلسِ قلندرانِ اقبالؒ

اس مجلس کا احوال پرویزؒ صاحب کے رفیقِ قدیم خورشید عالم صاحب نے دسمبر 1954ء میں تفصیل سے قلم بند کیا جو کہ ماہنامہ طلوع اسلام میں شائع ہوا:

1951ء میں، مصر کے نامور دانشور، صاحبِ قلم اور کلامِ اقبال کے شیدائی، ڈاکٹر عبدالوہاب عزامؒ مملکتِ مصر کے نئے سفیر کی حیثیت میں پاکستان تشریف لائے۔ اس سے پہلے آپ فرانس میں یہ فرائض ادا کر رہے تھے، جہاں انہوں نے اقبالؒ کے ''پیامِ مشرق'' کا منظوم عربی ترجمہ کیا تھا۔ قیام فرانس کے دوران کسی تقریب میں آپ کو کسی نے بتایا کہ اگر آپ کلام اقبال سے کما حقہٗ استفادہ کرنا چاہتے ہیں تو پاکستان جائیے۔ وہاں آپ کو ایک پاکستانی اقبال شناس، کلام اقبال کی حقیقی روح سے روشناس کرائے گا۔ چنانچہ ڈاکٹر صاحب، اس وقت کے فرمانروائے مصر، شاہ فاروق سے اپنی خصوصی درخواست پر پاکستان کے لئے سفارت حاصل کر کے یہاں آئے اور سید عبدالواحد صاحب (سیکرٹری مجلس اقبال) کے توسط سے آپ نے پرویزؒ صاحب سے ملاقات کا اہتمام کیا۔ پرویزؒ صاحب سفارت خانہ مصر گئے تو اپنے ذہن میں ایک عجیب سا تصور لے کر۔ وہ کہتے ہیں کہ ''سفارت خانے عجیب دنیا ہوتے ہیں۔ ان میں جھانک کر دیکھئے۔ شان وشوکت، ٹھاٹھ باٹھ، تصنع، تکلف، ظاہر داری اور دیگر بے شمار بظاہر حسین لیکن بباطن خبیث دخترانِ ماڈرن ڈپلومیسی قدم قدم پر نظر آئیں گی۔ یہ تن کی دنیا ہے جو ''سود وسودائے مکروفن'' سے معمور ہے، نہ کہ ''سوز ومستی جذب وشوق'' سے آباد من کی دنیا۔ اس جہانِ گندم وجو میں ان درویشوں کا ذکر کہاں جن کے قلوب واذہان میں ''قرآن اور اقبال'' نے اقدار کی ایک ایسی دنیا بسا رکھی ہو جس میں اضطراب موج کے ساتھ ساتھ، سکونِ گہر بھی ہو، جو بدلتے رہنے کے باوجود نہ بدلیں اور جن کی حالت یہ ہو کہ:

ز برونِ در گذشتم، ز درونِ خانہ گفتم
سخنے نگفتۂ را چہ قلندرانہ گفتم

بہرحال پرویزؒ صاحب سفارت خانہ مصر گئے، اس حال میں کہ آیا نہیں، لایا گیا ہوں۔ سفیرِ مصر ڈاکٹر

عبدالوہاب عزامؒ سے ملاقات ہوئی اور گفتگو شروع ہوئی۔ چند ہی لمحوں کے بعد پرویز صاحب نے یہ محسوس کیا کہ وہ کاخِ نمائندہ شاہی میں نہیں بلکہ کسی حجرۂ درویش میں ہیں۔ وہ درویشِ خدا مست' نہ شرقی ہے نہ غربی۔ ایک طرف ان کا علم وفضل تھا جو عالمانہ نمائش سے پاک تھا۔ اس میں سراسر طالب علمانہ تجسس تھا۔ دوسری طرف ان کا عشق تھا جس نے انہیں سراپا سوز وگداز بنا رکھا تھا۔ یہ اقبال ہی کا فیض ہوسکتا تھا۔ اب پرویز اور عزام اس دنیا میں تھے جہاں تمام حجابات یک لخت اٹھ جاتے ہیں اور ملنے والے ''من تو شدم' تو من شدی'' کی حقیقی الف بین قلوبکم کی تصویر بن جاتے ہیں۔ یہ ملاقات مجلسِ قلندرانِ اقبال کا نقش اول بنی۔

چنانچہ مجلسِ قلندرانِ اقبال کی تاسیس ہوئی اور سفارت خانہ مصر میں اس کی نشستوں میں ضرب کلیم' بالِ جبریل' ارمغانِ حجاز (حصہ اردو)۔ جاوید نامہ' اسرار ورموز' پس چہ باید کرد اے اقوام شرق اور بانگِ درا لفظاً لفظاً پڑھی گئیں اور ان کی تشریح کی گئی۔ سفیرِ اقبال ڈاکٹر عزام نے ان شرحوں کو منظوم عربی کا پیرہن دیا اور پوری دنیائے عرب کو فکرِ اقبال کے نور سے منور کر دیا۔ انہوں نے علامہ اقبال کے عرب دنیا میں تعارف کی غرض سے ایک خود مکتفی کتاب بعنوان ''محمد اقبال۔ سیرتہ' شعرہ' و فلسفتہ' بھی تالیف کی۔

ان مجالس میں ظاہر ہے کہ شیخِ قلندراں کا منصب پرویز صاحب ہی کے لئے مختص تھا کیونکہ کلامِ اقبال وہی پڑھا اور پڑھایا کرتے تھے۔ ضربِ کلیم کے عربی ترجمہ کا تعارف بھی ڈاکٹر صاحب موصوف نے پرویز صاحب ہی سے لکھوایا' جواب (ترجمہ اردو) پرویز صاحب کی تصنیف ''اقبال اور قرآن'' جلد اول میں شامل ہے۔

یہ سلسلہ 4 سال تک جاری رہا اور اس مجلس کی آخری نشست 11 دسمبر 1954ء کو منعقد ہوئی جس میں مثنوی پس چہ باید کرد اے اقوام شرق' کا آخری باب زیر مطالعہ رہا۔ اس کے بعد سفیر اقبال' پاکستان سے رخصت ہوکر سعودی عرب چلے گئے۔

1955ء میں بعض احباب کی طرف سے تقاضے موصول ہونا شروع ہوئے کہ طلوع اسلام

میں پیغامِ اقبال کو عمومی طور پر پیش کرنے کے علاوہ' اس میں کلام اقبال کی تشریح مسلسل اور التزاماً شائع ہونا چاہئے۔ چنانچہ اس کے لئے سب سے پہلے مثنوی اسرار و رموز کا انتخاب کیا گیا کہ حضرت علامہ کی پہلی مطبوعہ کتاب بھی یہی تھی۔ 1955ء سے 1959ء تک اس مثنوی کی شرح طلوع اسلام میں شائع ہوتی رہی' جو اب کتابی شکل میں شائع کی جا چکی ہے۔

(خورشید عالم' ماہنامہ طلوع اسلام' دسمبر 1954ء)

اقبالؒ اور نقدِ پرویزؒ

اس سب کے باوجود پرویز صاحب نے جہاں جہاں اقبال کے افکار کو اپنی رائے میں قرآن کے مطابق نہیں پایا' نہایت غیر جانب داری سے تنقید کی ہے۔ وہ خود تصوف کی حقیقت میں تحریر فرماتے ہیں:

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہرِ ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

''اپنوں کی خفگی'' کی وجہ میری وہ تنقید ہوگی جو میں نے خود علامہ اقبالؒ کے بعض عقائد اور خیالات پر کی ہے۔ اقبالیین کا حلقہ تو میرے اپنوں کا حلقہ ہے۔ ان میں اکثریت ان کی ہے جو خود میری تحریروں کی وجہ سے فکرِ اقبالؒ کے قریب آئے ہیں۔ (اس نکتہ کی مزید تشریح اس کتاب کے حصۂ دوم میں ملے گی جو ''اقبالؒ اور تصوف'' سے متعلق ہے)۔

جہاں تک مخالفت کا تعلق ہے میں اتنا واضح کر دینا ضروری سمجھتا ہوں کہ میری تنقید اصولوں پر مبنی ہے۔ اس سے کسی واجب الاحترام شخصیت کی تنقیص یا تحقیر مقصود نہیں۔ میں تو (قرآن کی رو سے) غیر مذاہب کے مذہبی بزرگوں کی تحقیر بھی روا نہیں رکھ سکتا چہ جائیکہ خود اپنے ہاں کے بزرگوں کی شان میں (معاذ اللہ) گستاخی کا مرتکب ہوں۔ کسی کی غلط بات کو غلط کہنے کو اس کے خلاف گستاخی پر محمول نہیں کرنا چاہئے۔ ہمیں تو اس اسوۂ ابراھیمیؑ کے اتباع کا مکلّف ٹھہرایا گیا ہے جس کی رو سے اِذْ قَالَ لِاَبِیْہِ یٰٓاَبَتِ لِمَ تَعْبُدُ مَا لَا یَسْمَعُ وَلَا یُبْصِرُ وَلَا یُغْنِیْ عَنْکَ شَیْئًا (19:42) - انہوں نے اپنے والد تک کو معبودانِ باطل کی عبودیت سے روک اور ٹوک دیا تھا

لیکن اس کے باوجود اسی والد کے ساتھ حسن سلوک کے جذبہ میں فرق نہیں آیا تھا۔ یہ اسی جذبہ کا تقاضا تھا جو وہ دعا کرتے رہے کہ اسے (والد کو) صحیح راستہ پر چلنے کی توفیق عطا ہو جائے (القرآن۔ 9:114) اپنی ملت کے بزرگوں کے متعلق میرا مسلک بھی یہی ہے۔ میری تنقید ان کے غیر قرآنی عقائد کے خلاف ہے' ان کی ذات کے خلاف نہیں۔

تحریک پاکستان گولڈ میڈل

شعبہ تحریک پاکستان' محکمہ اطلاعات وثقافت' حکومتِ پنجاب کی جانب سے کارکنانِ تحریکِ پاکستان کی لائق تقلید و صد تحسین خدمات کے تذکار جمیلہ پر مشتمل ایک کتاب شائع کی گئی جس کی مجلس ادارت میں پروفیسر محمد مظفر مرزا' شہباز بخت اور اشفاق ملک شامل تھے۔ اس کتاب میں پرویزؒ صاحب کا تعارف اس طرح درج ہے:

علامہ غلام احمد پرویز مرحوم کی تاریخ پیدائش 9 / جولائی 1903ء ہے۔ تحریک پاکستان کے دوران مرکزی حکومت ہند کے ہوم ڈیپارٹمنٹ میں ملازم تھے۔ قیام پاکستان کے ساتھ ہی وہ مرکزی حکومت پاکستان میں منتقل ہو گئے اور 1955ء میں اسسٹنٹ سیکرٹری کے عہدے سے ریٹائر ہوئے۔

شیدائی ء اقبالؒ ہونے کے ناطے' آپ 1930ء سے مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکت کے اس تصور کو آگے بڑھاتے رہے جسے حضرت علامہ اقبالؒ نے الٰہ آباد کے مقام پر مسلم لیگ کے سالانہ اجلاس میں اپنے صدارتی خطبہ میں پیش کیا تھا۔

1937ء کے موسم گرما میں' علامہ اقبالؒ کے ایماء پر حضرت قائداعظمؒ نے اپنے قیام شملہ کے دوران علامہ پرویز کو بلا کر فرمایا کہ یہ مولوی صاحبان تحریک پاکستان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے ہیں' اس کی مدافعت کے محاذ کو میں تمھارے سپرد کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ حضرت قائداعظمؒ کی ہدایت پر وہ تمام ضروری اقدامات کئے گئے جن کے نتیجہ کے طور پر ماہنامہ ''طلوع اسلام'' کے دور جدید کا اجراء' مئی 1938ء کے شمارے کے ساتھ عمل میں آیا۔ اس ماہنامہ میں پرویز صاحب نے قرآن کریم کے عطا فرمودہ ''دوقومی نظریہ'' اسلامی مملکت کی ضرورت اور اس کے بنیادی تقاضوں پر

گرانقدر مقالات لکھے۔ اس دوران کانگرسی اور نیشنلسٹ علماء کی طرف سے مسلمانوں کی جداگانہ آزاد مملکت کے خلاف جو کچھ لکھا جاتا رہا' اس کا آپ نے موثر دفاع کیا۔

علامہ موصوف اس وقت سرکاری ملازمت میں تھے' اس لئے مسلم لیگ کے سٹیج سے بات کرنا تو ان کے لئے دشوار تھا تاہم دہلی اور اس کے گردونواح کے ایسے تمام شہروں میں جہاں شام کو جا کر اگلے روز علی الصبح واپس آیا جا سکے' مسلم لیگ کے شبانہ جلسوں کے فوراً بعد اسی سٹیج سے بزمِ اقبال کی محفل آراستہ کی جاتی جس میں پرویز صاحب قرآن کریم اور فکرِ اقبالؒ کی روشنی میں تحریک پاکستان اور مسلمانوں کی جداگانہ مملکت کے تصور کو واضح طور پر قوم کے سامنے پیش کرتے۔

یہ عملی جدوجہد قیام پاکستان تک جاری رہی۔ حتیٰ کہ جب 1946ء میں سرخ پوشوں اور کانگرس کی ملی بھگت سے مسلم اکثریت کے صوبہ سرحد میں' پاکستان میں شمولیت/ عدم شمولیت کے سوال پر ریفرنڈم کرانا طے پایا گیا تو پرویز صاحب صوبہ سرحد میں تشریف لے گئے اور اس وقت کے سرحد مسلم لیگ کے صوبائی صدر خان بخت جمال خان اور ان کے رفقاء کی معاونت سے صوبہ کی کانگرسی وزارت اور سرخپوش لیڈر خان عبدالغفار خان کو ہمہ جہت مخالفتوں کے علی الرغم سرحد کے مسلم عوام کا فیصلہ کن ووٹ پاکستان کے حق میں ڈلوانے میں کامیاب ہوئے۔

علامہ پرویز 38-1937ء سے حضرت قائداعظم علیہ الرحمتہ کے' تحریک پاکستان کی دینی اساس کے موضوع پر ذاتی مشیر کی حیثیت سے بھی کام کرتے رہے۔ یہی وہ واحد شخصیت تھی جنہیں حضرت قائداعظمؒ سے پیشگی وقت لئے بغیر ان کی خدمت میں' کسی وقت بھی باریابی کا شرف حاصل رہا ہے۔ ان کا کہنا تھا کہ قائداعظمؒ نے قرآنی ہدایات سامنے آجانے کے بعد ہمیشہ انہی کے مطابق عمل کیا۔ پرویز صاحب ان معدودے چند دانشوروں میں شامل ہیں جنہوں نے بقول پیر علی محمد راشدی' پاکستان کی سکیم کی تیاری میں مدد کی تھی۔

حضرت قائداعظمؒ علامہ پرویز پر غایت اعتماد رکھتے تھے اور ان کی رائے کو اس قدر اہمیت دیتے تھے کہ جب اس کا وقت آیا تو ان سے پاکستان کے سیکرٹریٹ کے لئے مناسب افسروں کے

انتخاب کے لئے سفارش طلب کی۔

قیام پاکستان کے بعد اپنی وفات تک جب کسی دریدہ دہن نے بانی پاکستان حضرت قائداعظم محمد علی جناحؒ یا ان کے رفقاء کے خلاف ہرزہ سرائی کی ناپاک کوشش کی تو یہی مردِ مجاہد آڑے آیا اور ہر موقع پر ایسے مدلل مقالات سپردِ قلم کئے جن سے تحریک پاکستان کے ان زعماء کی عظمت کردار نکھر اور ابھر کر قوم کے سامنے آتی رہی۔

علامہ غلام احمد پرویز نے 24 فروری 1985ء کو وفات پائی۔

(تحریکِ پاکستان گولڈ میڈل، حصہ دوم، صفحات 34-33)

اقبالؒ کے حضور نشستیں اور گفتگوئیں

جناب ڈاکٹر سید نذیر نیازی نے ''اقبالؒ کے حضور میں ''نشتیں اور گفتگوئیں'' کے عنوان سے ایک بیاض یادداشت ترتیب دی تھی جس کا جزو اول یکم جنوری 1938ء اختتام 21 مارچ 1938ء پر ہوتا ہے۔ جزو دوم 22 مارچ سے 21 اپریل تک ہے۔ اس کتاب میں صفحہ 36 پر دوشنبہ 10 جنوری کے عنوان سے دہلی سے آنے والے اس قافلہ قلندرانِ اقبال کا ذکر ہے جو مولانا اسلم جیراجپوری کی قیادت میں 9 جنوری کو یوم اقبال کی تقریب میں شرکت کے لئے لاہور آیا تھا۔ جو انٹر کالجیٹ مسلم برادر ہڈ نے منایا تھا۔ جس میں جناب پرویز نے ایک نہایت خیال انگیز، فکر ریز اور احساس خیز تقریر دلنشیں انداز میں ارشاد فرمائی تھی۔ اس موقعہ پر اقبال سے ملاقات کا احوال سید نذیر نیازی نے تفصیل سے لکھا ہے۔ جس کا ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے۔

سید نذیر نیازی رقم طراز ہیں:

''پرویز صاحب شاید اس وقت سے جب حضرت علامہ (اقبال) نے کانگریس کے طرفدار علماء کی کوتاہ نظری پر اظہار افسوس کیا تھا، موقعہ کے منتظر تھے۔ انہوں نے مولانا ابوالکلام کی تفسیر قرآن کا ذکر چھیڑ دیا اور ظاہر ہے کہ نیشنلسٹ مسلمانوں کے بارے میں گفتگو ہوتی تو مولانا کا ذکر ضرور آتا۔ ان کی تفسیر اگرچہ برسوں کے انتظار کے بعد شائع ہوئی تھی لیکن اس کے باوجود وہ توقعات پوری نہ ہوسکیں جو مولانا کے علم و فضل سے وابستہ تھیں بالخصوص اس لئے کہ ''الاسلام بمقابلہ اسلام اور ''الدین'' بہ

مقابلہ دین کی اصطلاحیں وضع کرتے ہوئے انہوں نے اسلام کی تعبیر ایک ایسے رنگ میں کی جس سے بجائے ایک واضح، قطعی اور محکم دستورِ حیات کے دین کی حیثیت محض ایک عقیدے، ایک نظریئے، ایک مجرد فکر اور ایک احساس کی رہ گئی۔ مولانا کے نزدیک قرآن پاک کی دعوت یہ ہے کہ جملہ مذاہب عالم ایک دوسرے کی سچائی کا اعتراف کریں۔ سب اپنے اپنے مذہب کی حقیقی تعلیمات پر کاربند رہیں تاکہ وہ سب گروہ بندیاں جو ''شرع ومنہاج کے اختلاف نے پیدا کر رکھی ہیں' کالعدم ہو جائیں اور دنیا سمجھ لے کہ ''الدین'' یا ''الاسلام'' کا حقیقی مقصد کیا ہے۔ یہ مقصد ہے خدا پرستی اور نیک عملی۔ اس لئے کہ نجات وسعادت کی اساس ہے حسن اعتماد کے ساتھ ساتھ توحید باری تعالیٰ کا اقرار۔

پرویز صاحب نے کہا وحدتِ ادیان کا یہی غلط تصور' جو مولانا نے اس طرح قائم کیا سرچشمہ ہے قرآن مجید کی اس تفسیر کا جو مولانا نے فرمائی اور جس سے برہمو سماج کے نقطۂ نظر' ہی کی تائید ہوتی ہے۔ مسلمانوں کی دینی عصبیت کو تو کوئی تقویت نہیں پہنچتی۔ مولانا کے ارشادات کو صحیح تسلیم کر لیا جائے تو اسلام اور غیر اسلام میں کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہتا۔ نہ عقیدۃً نہ عملاً۔ معلوم ہوتا ہے' ان کی ساری کوشش یہ تھی کہ مذہباً کانگریس کی حمایت کا جواز پیدا کیا جائے تاکہ ہم اپنے اس دعوے سے کہ مسلمانوں کی ایک جداگانہ قومیت ہے دست بردار ہو جائیں۔ مولانا کے عقائد' مولانا کے خیالات اور مولانا کے نظریات میں یہ تبدیلی افسوسناک بھی ہے اور تعجب انگیز بھی۔

پرویز صاحب نے کہا مولانا گویا دبی زبان سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مذہب فرد کا ذاتی معاملہ ہے۔ قوم کا معاملہ مذہب سے الگ ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ مولانا کی تفسیر شائع ہوئی تو رسالہ معارف میں ان کے قلم سے ایک طویل تبصرہ بھی شائع ہوا تھا (یعنی پرویز صاحب کے قلم سے)۔

حضرت علامہ (اقبال) نے فرمایا ''مدیر معارف'' نے بھی کیا اس سلسلے میں کوئی رائے ظاہر کی؟

پرویز صاحب نے کہا شروع میں تو سید صاحب نے اس تبصرے کی بڑی تعریف کی اور ان

خطرات کا اقرار بھی کیا جن کی طرف اس میں اشارہ کیا گیا تھا لیکن تبصرے کی دوسری قسط کا وقت آیا تو انہوں نے دفعتہً اپنی رائے بدل دی۔

''کیوں؟''

اس عذر میں کہ مولانا کی فضیلت علم اور بصیرت فی الدین مسلّم ہے۔ وہ بہت بڑے سیاسی اور دینی رہنما ہیں۔ ان کے خیالات پر گرفت کی گئی تو بہت ممکن ہے اور زیادہ غلط فہمیاں پیدا ہو جائیں۔ مصلحت یہی ہے کہ سردست خاموشی اختیار کی جائے۔ مولانا کا شائد وہ مطلب بھی نہیں جو ہم سمجھتے ہیں۔

ارشاد ہوا۔ ''یہ امر بڑا افسوسناک ہے کہ کسی شخص کا علم و فضل یا احترام ذات ہمیں حق گوئی سے باز رکھے۔ اور وہ بھی ان مسائل میں جن کا تعلق اسلام کی بنیادی تعلیمات سے ہے۔''

چند منٹ خاموشی رہی۔ شاید مولانا کی تبدیلیٔ خیالات پر دل افسردگی کے باعث۔''

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ضرورت رشتہ

ایک بیٹی تعلیم ایم فِل، پلانٹ پیتھالوجی، ایرڈ/ بارانی یونیورسٹی راولپنڈی کے لئے موزوں، مناسب رشتہ درکار ہے۔ خواہش مند حضرات درج ذیل نمبر پر رابطہ کر سکتے ہیں۔

موبائل: 0331-8739547

خریدار حضرات توجہ فرمائیں

مجلّہ طلوع اسلام کی درج ذیل خوبصورت جلدیں 275 روپے فی جلد علاوہ ڈاک خرچ دستیاب ہیں۔

70, 72, 73, 75, 76, 77, 83, 84, 85, 86, 87, 88, 91, 94, 98,
2000, 2003, 2004, 2005, 2006, 2007, 2008, 2009, 2010

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

خواجہ ازہر عباس، فاضل درسِ نظامی
azureabbas@hotmail.com
www.azharabbas.com

امریکہ میں اشاعتِ اسلام

پاکستان میں کافی عرصہ سے اس طرح کی اطلاعات موصول ہو رہی ہیں کہ وہاں اسلام بہت تیزی سے پھیل رہا ہے، اس کے علاوہ دنیا کے اور ممالک میں بھی لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ امریکہ کے متعلق خاص طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے وہاں اسلام کو بہت پذیرائی مل رہی ہے۔ ایک مرتبہ صدر پرویز مشرف کے دورۂ امریکہ کے بعد ایک اعلامیہ جاری ہوا تھا جس میں اسلام کے متعلق Expanding Religion کے الفاظ تحریر کئے گئے تھے۔ مختلف اخبارات اور انٹرنیٹ سے یہ اطلاع ملتی ہے کہ وہاں تقریباً پانچ سو آدمی روزانہ مسلمان ہو رہے ہیں۔ جس زمانہ میں ہمارے ہاں محترمہ بے نظیر بھٹو صاحبہ اور ترکی میں محترمہ چلر صاحبہ، وزیراعظم تھیں، اخباری خبروں کے مطابق اس سال انگلینڈ میں دس ہزار خواتین مسلمان ہوئی تھیں۔ امریکہ اور یورپ کے لوگوں کا مسلمان ہونا، ایک اچھی خبر ہے، لیکن ہمیں اس بات پر حیرت ہوتی ہے کہ جو حضرات امریکہ یا یورپ میں مسلمان ہو رہے ہیں، ان کو اسلام کی کون سی ادا اچھی معلوم ہوتی ہے۔ جو انہیں اسلام کی طرف کھینچتی ہے، قرآن کریم اور اس کے پیش کردہ دین میں تو اتنی کشش ہے کہ اگر دلائل و براہین کے ساتھ کسی کے سامنے پیش کیا جائے اور اس کے سامنے یہ ثابت کر دیا جائے کہ انسانیت کے فلاں فلاں مسائل کا حل قرآن کی فلاں فلاں آیات پر عمل کرنے سے ہو سکتا ہے، تو یقیناً ہر سامع اسے دل کی آمادگی سے تسلیم کر لیتا ہے لیکن ہمارا موجودہ مذہب، جس کا بیشتر حصہ قرآن کے خلاف ہے اور جس کا انحصار پرستش، توہم پرستی، ایک دوسرے کا استحصال، تشدد پسندی، تنگ نظری، Saddism اور Irrationally پر ہے، معلوم نہیں اس مذہب کی وہ کون سی ادا ہے جو غیر مسلموں کو لبھاتی ہے اور وہ اپنا آبائی مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جاتے ہیں۔ اسلام کے علاوہ جہاں تک مسلمانوں کا اپنا تعلق ہے، اس کے لئے صورت بیں حالم میرس والی بات صادق آتی ہے۔ مسلمانوں کے باون ممالک بتائے جاتے ہیں۔ تمام ممالک زوال اور ابتری کا

شکار ہیں۔ان کے زوال کی وجہ مشترک' ہمارا خلاف قرآن مذہب ہے جو ہمارا خود وضع کردہ ہے۔

پھر اس کے علاوہ آپ یہ بھی غور فرمائیں کہ امریکہ یا دوسرے یورپین ممالک میں جو حضرات اپنی خوش نصیبی کی وجہ سے مسلمان ہو بھی جاتے ہیں' تو ان کی زندگی میں کیا فرق پڑتا ہے' ان میں سے اکثر اپنا نام تبدیل کر لیتے ہیں یا اپنے نام کے ساتھ کوئی اسلامی سابقہ یا لاحقہ لگا دیتے ہیں تاکہ وہ پہچانے جائیں کہ وہ مسلمان ہو گئے ہیں اس کے علاوہ ان کے پرستش کے طریقے بدل جاتے ہیں۔ پہلے وہ چرچ میں جا کر پرستش کرتے تھے' مسلمان ہونے کے بعد وہ نمازیں پڑھنے لگ جاتے ہیں۔ نذر نیاز دینے لگ جاتے ہیں لیکن یہ بنیادی سقم کہ پرستش اللہ کی اور اطاعت انسانوں کی' وہ دونوں صورتوں میں باقی رہتا ہے۔جس طرح وہ امریکہ کے نظام کو اور اس کے احکامات کو پہلے درست خیال کرتے تھے اور ان کی اطاعت کرتے تھے' مسلمان ہونے کے بعد بھی اسی طرح وہ اس نظام کو بہتر خیال کر کے' اس کی اطاعت کرتے رہتے ہیں۔صرف پرستش کے طریقوں میں تبدیلی آتی ہے' اللہ اللہ خیر سلہ' اور اسی وجہ سے وہاں کی حکومت وہاں کے باشندوں کے مسلمان ہونے کا کوئی نوٹس نہیں لیتی اور نہ ہی اس کو کوئی اہمیت دیتی ہے لیکن یہ حضرات جو وہاں مسلمان ہو رہے ہیں ان کے سامنے دین پیش کیا جائے اور پھر وہ اسلام کو بطور دین کے اختیار کر لیں اور یہ مطالبہ شروع کر دیں کہ اسلام کا نظام سب نظاموں سے بہتر ہے' اور اس کو یہاں (امریکہ) میں جاری کیا جائے پھر آپ دیکھیں کہ وہاں مسلمان ہونے پر کیسی پابندیاں لگائی جاتی ہیں' قرآن کریم نے جو جگہ جگہ یاایھا الذین آمنوا ارشاد فرمایا ہے تو اس کے عملی معنے ہی یہ ہوتے ہیں کہ اے وہ لوگو جو اس بات پر ایمان لائے ہو کہ انسان کے وضع کردہ تمام ضابطۂ حیات باطل پر مبنی ہیں' انسانیت کے لئے نہایت تکلیف دہ اور پریشان کن ہیں اور اس کے برعکس اسلام کا نظام وہ نظام ہے جس میں ساری انسانیت فلاح پاتی ہے اور ہر شخص کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہو جاتی ہے اور ایمان لانے کے اصل معنے یہ ہیں۔اگر امریکہ میں مسلمان اسی طرح ایمان لانے لگیں تو ان پر ہر طرح کی پابندیاں لگ جائیں گی۔ پرستش کے طریقوں کی تبدیلی سے عملاً کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔یہی وجہ ہے کہ ہر ملک میں مذہبی آزادی ہوتی ہے' لیکن دینی آزادی کسی ملک میں بھی نہیں ہو سکتی۔

حضور ﷺ کے زمانے میں جو لوگ مسلمان ہو رہے تھے' ان کی معاشرت میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آتی تھی۔ان کے وہی نام رہے' وہی بود و ماند رہا لیکن اک نظام حکومت بالکل بدل گیا۔ان کے قوانین بالکل تبدیل ہو گئے' ان کو حکم ہوا:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَّلَا مُؤْمِنَةٍ اِذَا قَضَى اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗٓ اَمْرًا اَنْ يَّكُوْنَ لَهُمُ

الْخِيَرَةُ مِنْ اَمْرِهِمْ (33:36)-

اور نہ کسی ایمان دار مومن مرد کو یہ مناسب ہے اور نہ کسی ایمان دار عورت کو کہ جب خدا اور اس کے رسول کسی کام کا حکم دیں تو ان کو اپنے کام کرنے کا اختیار ہو۔

اسی مضمون اور اسی حکم کو مزید تاکید کے ساتھ فرمایا:

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ (4:65)-

پس اے رسول تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ سچے مومن نہ ہوں گے تاوقتیکہ اپنے باہمی جھگڑوں میں تم کو اپنا حاکم نہ بنائیں۔

جب تک ان آیات پر عمل نہیں ہوتا' کسی بھی غیر مسلمان کا مسلمان ہونا بالکل بے معنے چیز ہے۔

اب آپ امریکہ سے اپنے گھر کی طرف پاکستان میں آجایئے یہاں بھی یہی صورت حال ہے کہ پرستش ہم اللہ تعالیٰ کی کرتے ہیں لیکن اطاعت اپنے بنائے ہوئے حاکموں کی کرتے ہیں۔

قرآن کریم چونکہ قیامت تک کے لئے کتاب ہدایت ہے اس لئے اس میں تمام علوم اور زندگی کے تمام شعبوں سے متعلق آیات موجود ہیں' بعض آیات ایسی ہیں جن کا خاص طور پر معاشیات سے تعلق ہے' بعض آیات قانونی اہمیت کی حامل ہیں' چند آیات قرآن کریم کے سیاسی نظام سے متعلق ہیں۔ قرآن کے سیاسی نظام سے متعلق آیات میں سے سب سے اہم آیت سورۃ نساء کی' یہ آیت ہے:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ (4:59)-

اے ایمان والو خدا کی اطاعت کرو اور رسول کی اور تم میں سے جو صاحبان حکومت ہوں ان کی اطاعت کرو اور اگر تم کسی بات میں جھگڑا کرو بس اگر تم خدا اور روز آخرت پر ایمان رکھتے ہو تو اس امر میں خدا اور رسول کی طرف رجوع

کرو۔ یہی بہتر ہے اور انجام کی راہ سے بہت اچھا ہے۔

آپ غور فرمائیں کہ یہ حکم خود مسلمانوں کو دیا جا رہا ہے کہ اپنے متنازعہ فیہ معاملات کا تصفیہ حضور ﷺ سے کرائیں یہ حکم غیر مسلموں کو نہیں دیا جا رہا ہے' جہاں تک انسانوں اور اللہ تعالیٰ کے مابین تعلق کا معاملہ ہے' اس کے لئے حضرت عمرؓ کا واضح قول موجود ہے۔ انہوں نے فرمایا:

لیس بین اللہ و بین احد نسب الا بطاعتہ فاالناس
شریفھم ووضیعھم سواء۔ (عمر' محمد حسین ہیکل' ص151)
اللہ اور کسی شخص کے درمیان کوئی رشتہ نہیں مگر اس کی اطاعت کے واسطے سے'
اس وجہ سے خدا کے قانون میں شریف و حقیر سب برابر ہیں۔

اللہ تعالیٰ سے رشتہ قائم رکھنے کا طریقہ اس کی اطاعت ہے لیکن اللہ کی اطاعت کسی طرح بھی براہ راست نہیں ہوسکتی۔ اس کی اطاعت صرف رسول اللہ ﷺ کے ذریعے اور ان کو درمیان میں واسطہ بنا کر ہی ہوسکتی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ کی اطاعت کا اور کوئی طریقہ ہو ہی نہیں سکتا جس طرح اللہ کی اطاعت رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ ہی ہوسکتی ہے' اسی طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اولوالامر کی معرفت ہی ہوسکتی ہے۔ اس آیہ کریمہ میں جو پیش کی گئی ہے' اللہ و رسول کی اطاعت کا مکمل نقشہ دے دیا گیا ہے۔ اللہ و رسول کی اطاعت اس نظام کی اطاعت ہے جو حضور ﷺ نے قائم فرمایا تھا۔ کیونکہ قرآن کریم نے شخصیات کا دور ختم کر کے' نظام کا دور شروع کر دیا تھا اور اس طرح انسانوں کی حکومت انسانوں پر ختم کر دی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ جب یہ نظام مدینے سے دور دور تک پھیل گیا تو یہ ضروری نہیں تھا کہ دور دراز کے رہنے والے لوگ اپنے مقدمات و تنازعات کے فیصلے مدینہ آ کر خود حضور ﷺ سے کروائیں' اس کے لئے حضور ﷺ نے اپنے ماتحت افسران' صاحبان امر' حکام' جگہ جگہ اور شہر بشہر مقرر فرما دیئے تھے ان افسروں اور ان عدالتوں کے فیصلوں کی اطاعت ہی حضور ﷺ کی یا دوسرے الفاظ میں مرکز کی اطاعت تھی۔ اور یہی عبادت خداوندی بھی تھی۔ البتہ مقامی ماتحت افسروں اور مرکز کے فیصلوں میں یہ فرق ہوتا تھا کہ ماتحت افسران (اولوالامر) کے فیصلے مرکز کی طرف Refer کر دیئے جاتے تھے' لیکن مرکز کا فیصلہ آخری فیصلہ ہوتا تھا' اس طرح آپ نے ملاحظہ فرمایا کہ ماتحت افسران (اولوالامر) کے بغیر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہیں ہوسکتی' رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا واحد ذریعہ اولوالامر کی اطاعت ہے اس ذریعہ کے علاوہ اور کسی ذریعے سے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت نہیں ہو

سکتی اور اولوالامر کی اطاعت اس طرح واجب ہے جس طرح رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واجب ہوتی ہے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا تھا۔

(1) **علیکم بسنتی و سنة خلفائی الراشدین المهدین.**

تم پر لازم ہے عمل کرنا میری اور میرے برحق اور ہدایت یافتہ جانشینوں کی سنت پر۔

(2) حضور ﷺ نے فرمایا 'من اطاعنی فقد اطاع الله ومن عصانی فقد عصی الله ومن یطیع الامر فقد اطاعنی ومن لعصی الامیر فقد عصانی. (مشکوٰۃ شریف)۔

جس نے میری اطاعت کی' اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی' اس نے میری نافرمانی کی۔

(3) **عن ابن عمر رضی الله عنه' قال قال رسول الله صلی الله واله وسلم' علی المرء المسلم السمع والطاعة فیما احب و کره الا ان یومر بمعصیة فلاسمع ولا طاعة.** (مسلم شریف)۔

حضرت ابن عمرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مرد مسلمان پر امیر کی بات سننا اور اس کی اطاعت کرنا واجب ہے' خواہ وہ حکم اس کو پسند ہو یا ناپسند۔ لیکن یہ کہ اس کو اگر کسی گناہ کا حکم دیا گیا' ایسی صورت میں نہ سننا جائز ہے نہ اطاعت کرنا۔

(4) **ومن مات ولیس و عنقه بیعة مات میتة جاهلیه.** (صحیح مسلم شریف' کتاب الامارۃ)۔

جو شخص ایسی حالت میں مر جائے کہ اس کی گردن میں کسی امیر کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔

(5) حضور ﷺ کی وفات کے وقت جو خطبہ حضرت ابوبکرؓ نے دیا تھا' اس میں یہ جملے بھی شامل تھے۔ **الا ان محمداً مات ولا بد لهٰذا الدین ممن یقوم به.** خبردار ہو جاؤ کہ محمد ﷺ تو وفات پا چکے ہیں اور اس دین کے لئے ایک ایسا شخص ہونا ضروری ہے جو اسے قائم کرے۔

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ہر زمانہ میں اولوالامر کا ہونا ضروری ہے جن کے ذریعے اور جن کے

واسطے سے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت ہوتی ہے۔ لیکن اگر یہ اولوالامر موجود نہ ہوں' تو رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کسی طرح بھی نہیں ہوسکتی۔

جو آیہ کریمہ اطاعت رسول ﷺ کے بارے میں تحریر کی گئی ہے اس میں یہ حکم بھی شامل ہے کہ اپنے تمام معاملات کے فیصلے رسول اللہ ﷺ سے کرایا کرو۔ اس میں ایک اہم نکتہ یہ ہے کہ یہاں اللہ تعالیٰ ان لوگوں کو نہیں کہہ رہا جو غیر مسلم ہوں بلکہ یہاں خطاب ہم سے مسلمانوں سے ہو رہا ہے کہ ہم اپنے آپ کو مسلمان کہتے ہیں لیکن عملاً حالت یہ ہے کہ اپنے تمام معاملات ومقدمات کے فیصلے غیر خدائی قوانین کے ماتحت کراتے ہیں اور کھلم کھلا اور بانگ دہل طاغوت کی اطاعت کرتے ہیں' ہماری حالت یہ ہے کہ ہم صدیوں سے انسانی وضع کردہ قوانین کی اطاعت کرتے چلے آرہے ہیں اور اپنے آپ کو مسلمان بھی کہتے چلے آرہے ہیں اور قرآن میں یہ بھی پڑھتے ہیں کہ: **ومن لم یحکم بما انزل اللہ فاولئک ھم الکفرون (5:44)**- جو لوگ اپنے تنازعات کے فیصلے بما انزل اللہ کے مطابق نہیں کرتے وہ کافر ہیں۔ دوسرے مقام پر اس نے ایمان باللہ اور کفر بالطاغوت کو آمنے سامنے لاکر یہ بات بالکل واضح کردی کہ اگر کوئی طاغوت کا انکار نہیں کرتا' تو وہ اللہ پر ایمان بھی نہیں لاتا **2:256**' اور اگر کوئی شخص یہ بات نہیں سمجھتا تو وہ خود بھی فریب خوردہ ہے اور دوسروں کو بھی فریب دیتا ہے **2:9**-

اس کے بعد آپ غور فرمائیں کہ جو حضرات آج امریکہ اور یورپ میں مسلمان ہو رہے ہیں نہ تو وہ اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں اور نہ ہی ہم خود اللہ ورسول کی اطاعت کر رہے ہیں۔ فرق صرف اتنا ہے کہ وہ خود مسلمان ہو رہے ہیں اور ہمارے آباء اجداد مسلمان ہوگئے تھے' اس لئے ہم از خود پیدائشی مسلمان ہیں۔ ہمارے لئے قرآن نے ارشاد فرمایا:

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ (12:106)-

اور ان میں کہ جو خدا پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں اکثر مشرک ہیں۔

یہ آیہ کریمہ کس طرح برجستہ طور پر ہمارے اوپر منطبق ہوتی ہے' وہ غور کرنے کے قابل ہے۔

عشق آوردہ خلیل اللہ ز آذر چہ عجب
یا صد گوئے شود گر صنم از تیشۂ ما

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

محمد صدیق بٹ

ہَوس چُھپ چُھپ کے سینوں میں بنا لیتی ہے تصویریں!

قرآن کریم کی رو سے جن قوموں کا نفع اور نقصان مجموعی طور پر ایک ہو وہ دین پر ہونے کی وجہ سے ہوتا ہے۔ جو قومیں یا ملک اللہ تعالیٰ کے دین اسلام سے ہٹ جاتے ہیں ان لوگوں کا نفع اور نقصان علیحدہ علیحدہ ہونے کی وجہ سے وہ لوگ اپنے اپنے علیحدہ مفاد کی خاطر فرقوں میں بٹ جاتے ہیں۔ اور یہ چیز کہ جس سے قومیں فرقوں میں بٹ جائیں اور ان کے مفاد علیحدہ علیحدہ ہوں وہ اسلام اور دین اللہ کے منافی ہے (جیسا کہ اقبالؒ نے فرمایا)۔

منفعت ایک ہے اس قوم کی، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبی دین بھی، ایمان بھی ایک
حرم پاک بھی، اللہ بھی، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک

مگر جن لوگوں کا نصب العین زندگی ایک نہ ہو اس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ شُحَّ نفس سے بچتے نہیں! قرآن کریم میں ہے: وَمَنْ يُّوْقَ شُحَّ نَفْسِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ (59:9)- (مزید دیکھئے 64:16 ,4:128)۔ اور جو کوئی بچایا جائے بخیلی جان اپنی کے سے وہی لوگ کامیاب ہوں گے۔

(قرآن کریم کا نظام ربوبیت یہ ہے کہ ہر فرد دوسروں کی نشوونما کی فکر کرے اور ان کی ضروریات کو اپنی ضروریات پر ترجیح دے۔ دیکھئے لغات القرآن ص 934، عنوان ش۔ح۔ح)۔ یہ ہے مقام مومن!۔

شُحَّ نفس بدترین قسم کی خودغرضی کو کہتے ہیں۔ مثلاً سخت گرمی کا موسم ہو کسی جگہ پانی تھوڑا ہو اور بہت سے پیاسے۔ ایسی حالت میں دو آدمی جس طرح ایک دوسرے کو دھکیل کر پیچھے ہٹائے اور آگے بڑھ کر اپنی پیاس بجھانے کی کوشش کرے۔ یہ شُحَّ نفس میں انسان کی کیفیت ہوتی ہے۔ ذاتی مفاد کی کشمکش۔ کھینچا تانی۔ دوسروں کو دھکیل کر خود آگے بڑھنا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

غلام احمد پرویزؒ

لغات القرآن

ج ھ ل

اَلْجَھْلُ کے معنے ہوتے ہیں جو امور واضح نہ ہوں ان کی واقفیت حاصل کئے بغیر ان میں پیش قدمی کرنا۔ راغب نے کہا ہے کہ جَھْلٌ کی تین قسمیں ہوتی ہیں (1) انسان کے ذہن کا علم سے خالی ہونا (یہ بنیادی معنے ہیں)۔ (2) کسی بات کے متعلق اس کی صحیح کیفیت کے خلاف اعتقاد رکھنا اور (3) کسی بات کو جس طرح کرنا چاہئے اس کے خلاف کرنا۔ خواہ اس کی بابت اعتقاد صحیح ہو یا غلط (تاج)۔ ابن فارس نے کہا ہے کہ اس کے بنیادی معنے (1) علم کی ضد اور (2) ہلکا پن اور بے اطمینانی کے ہیں۔

مَجْھَلٌ. اس زمین کو کہتے ہیں جس میں نشانات راہ نہ ہونے کی وجہ سے صحیح راستہ نہ مل سکے (تاج)۔ صاحب محیط نے کہا ہے کہ اَلْجَھُوْلُ اس سادہ لوح اور ناتجربہ کار آدمی کو کہتے ہیں جو جلد دھوکے میں آ جائے (محیط)۔ صاحب تاج العروس نے لکھا ہے کہ جَاھِلٌ کا لفظ مذمت کے لئے آتا ہے لیکن کبھی اس کے معنے ناواقف کے بھی ہوتے ہیں۔ اس صورت میں یہ لفظ مذمت کے لئے نہیں آتا۔ مثلاً قرآن کریم میں ہے یَحْسَبُھُمُ الْجَاھِلُ اَغْنِیَآءَ (2:273) ''ناواقف انہیں دولتمند سمجھتا ہے''۔

عربوں کے زمانہ قبل از اسلام کے لئے جَاھِلِیَّۃٌ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ قرآن میں بھی اس لفظ کا استعمال آیا ہے (مثلاً 33:33)۔ اس کے معنے یہ نہیں کہ وہ لوگ جاہل مطلق تھے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ دین سے ناواقف تھے۔ جاہلیت سے مراد ان کی جہالت نہیں بلکہ اس دین سے ناواقفیت ہے جو نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ ان تک پہنچا۔ لہٰذا رسوم جاہلیت سے مراد وہ رسوم ہی نہیں جو زمانہ قبل از اسلام میں عربوں کے ہاں رائج تھیں۔ اس سے مراد وہ تمام غلط اعتقادات اور غیر قرآنی اعمال حیات ہیں جو دین سے ناواقفیت کی بنا پر مسلمانوں میں پھیل رہے ہیں۔ نیز علم ہو جانے کے بعد بھی اسی

روش پر جمے رہنا (محض اس لئے کہ وہ روش اسی طرح چلی آ رہی ہے) جاہلیت ہے۔ یہ مسلک پتھروں کا ہے جو کسی حالت میں بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلتے۔ اسی لئے بڑی چٹان کو صَفَاۃٌ جَیْھَلٌ کہتے ہیں (محیط)۔ یہ جہالت و جاہلیت کی بدترین قسم ہے۔ اسی لئے صاحب تاج العروس نے اسے جَھْلٌ مُرَکَّبٌ سے تعبیر کیا ہے (تاج)۔

احمد امین مصری (مرحوم) نے کہا ہے کہ ''سَلَامٌ کے معنے مسالمت کے ہیں جو جنگ اور مخاصمت کی ضد ہے۔ قرآن کریم کی اس آیت وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ عَلَی الْاَرْضِ ھَوْنًا وَّ اِذَا خَاطَبَھُمُ الْجٰھِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا (25:63)- میں جَھَالَت کے مقابلہ میں سَلَام کا لفظ لایا گیا ہے۔ غالباً اس آیت کے ذریعہ ہم وہ وجہ معلوم کر سکتے ہیں جس کی بنا پر نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ کو جاہلیت کا اور بعثت کے بعد کے زمانہ کو اسلام کا لقب دیا گیا۔ یہ لفظ ''جاہلیت'' اس جَھْلٌ سے ماخوذ نہیں جس کے معنے نہ جاننے (عِلْمٌ کی ضد) کے ہوتے ہیں۔ بلکہ یہ اس ''جَھْلٌ'' سے ماخوذ ہے جس کے معنے سفاہت' غضب اور حمیت کے ہوتے ہیں۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کی ایک حدیث میں ہے کہ انہوں نے کسی کو اس کی ماں کے نام سے عار دلائی تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اِنَّکَ اُمْرُؤٌ فِیْکَ جَاھِلِیَّۃٌ۔ ''تمہارے اندر جاہلیت کی روح اب تک موجود ہے''۔ اسی جہت سے عربوں کا محاورہ ہے ''اِسْتَجْھَلَہ' الشَّیْئُ''۔ یعنی اس چیز نے اسے عقل و خرد سے بیگانہ بنا دیا۔ کسی شاعر کا مصرع ہے۔۔ دَعَاکِ اُلْھَوَی وَاسْتَجْھَلَتْکَ الْمَنَازِلُ۔ محبت نے تجھے پکارا اور محبوب کے مکانوں نے تیرے حواس گم کر دیئے۔ عمرو بن کلثوم کے معلقہ میں ہے۔

اَلَا لَا یَجْھَلَنْ اَحَدٌ عَلَیْنَا

فَنَجْھَلُ فَوْقَ جَھْلِ الْجَاھِلِیْنَا

خبردار کوئی ہمارے خلاف زیادتی نہ کرے ورنہ ہم زیادتی کرنے والوں سے بڑھ کر زیادتی کرینگے۔ ان استعمالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جَاھِلِیَّۃٌ کا لفظ ہلکے پن' عقل و ہوش سے بیگانگی' عصبیت' حمیت اور مفاخرت وغیرہ کے لئے استعمال ہوتا تھا جو اسلام سے پہلے عربوں کی زندگی کا اہم ترین عنصر تھا۔ اسی لئے اس زمانہ کو جاہلیت کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ ان معانی کے بالمقابل سکون نفس' تواضع' اعمال صالحہ کی اہمیت کا احساس اور نسلی فخر و غرور کی بے اعتباری وغیرہ کے رجحانات' سلامتی اور مصالحت کے ہوتے ہیں۔'' (فجر الاسلام' ص 70-69)۔ اس سے واضح ہو جاتا ہے کہ اسلامی نہجِ زندگی کیا ہے اور جاہلیت کی روش کیا؟

قرآن کریم کی رو سے علم حاصل نہ کرنا جرم ہے اور علم حاصل ہو جانے کے بعد اپنی غلط روش میں تبدیلی نہ کرنا اس سے زیادہ سنگین جرم (مزید تفصیل ع۔ل۔م اور ع۔ق۔ل کے عنوانات میں ملے گی)۔ سورۃ بقرہ میں یہ لفظ هَـــزُوً کے ساتھ آیا ہے (2:67) لہٰذا اس کے معنے ہیں وہ لوگ جو زندگی کے مسائل اور احکام و قوانین کو سنجیدگی سے (Seriously) نہ لیں۔ انہیں مذاق ہی سمجھیں۔

☆☆☆

جَهَنَّمُ

جَهَـنَّمُ. بعض کا خیال ہے کہ یہ عربی لفظ ہے جس کے معنے ہیں گہرا۔ کہتے ہیں ''رَكِيَّةٌ جَهَـنَّمٌ''۔ ''گہری تہ والا کنواں''۔ بعض نے اسے عبرانی لفظ گھنَّامُ سے معرب مانا ہے (تاج)۔

صاحب محیط نے لکھا ہے کہ یہ عبرانی الاصل ہے اور دو لفظوں سے مرکب۔ جِیُ هَنُّومُ یروشلم کے جنوب میں ایک مشہور وادی تھی جس میں زمانہ قدیم میں مولوک (عَـمُّوْ نِيِّيْن کے دیوتا) کے حضور آدمیوں کو جلا کر قربانی پیش کی جاتی تھی۔ لہٰذا جِیُ هَنُّومُ سے مراد تھی وہ وادی جہاں انسان ذبح کئے جاتے تھے اور انہیں جلایا جاتا تھا (محیط' نیز غریب القرآن میرزا ابوالفضل)۔ اس اعتبار سے جَهَـنَّم کا ترجمہ انسانیت کی قربانگاہ ہوگا۔ خدا کے قانون ربوبیت کا منشا یہ ہے کہ انسان کی مضمر صلاحیتوں کی نشوونما ہو۔ انسانیت برومند اور ثمر بار ہو۔ ایسا معاشرہ جس میں انسانیت نشوونما پائے جنتی معاشرہ ہے۔ اس کے مقابلہ میں وہ معاشرہ جس میں انسانیت ذبح ہو جائے اور جل کر راکھ کا ڈھیر بن جائے جَهَـنَّـمی معاشرہ ہے۔ اس کے لئے عربی لفظ جَـحِـيْـمٌ ہے جس کے معنے روک دینا ہیں (دیکھئے عنوان ج ح م)۔ یعنے جس مقام پر انسانیت کی نشوونما رک جائے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں جَهَنَّم کے متعلق کہا ہے: وَجَعَلْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ حَصِيْرًا (17:8)۔ جہنم ان لوگوں کے لئے روک کا مقام ہے جو قانون خداوندی کے خلاف زندگی بسر کرتے ہیں۔

چونکہ زندگی مسلسل آگے بڑھتی ہے اس لئے جس کی نشوونما یہاں رک جاتی ہے وہ زندگی کی اگلی منزلیں طے کرنے کے قابل نہیں ہوتا۔ اس لئے اس زندگی میں بھی وہ جَهَنَّم میں رہتا ہے اور مرنے کے بعد کی زندگی میں بھی۔ اس زندگی میں جَهَـنَّـم کی کیفیات کیسی ہوں گی' اس کے متعلق ہم آج کچھ نہیں سمجھ سکتے۔ البتہ موجودہ زندگی میں جَهَـنَّـم کا عذاب ہم ہر

وقت محسوس کر سکتے ہیں۔ انفرادی طور پر بھی اور اجتماعی طور پر بھی۔ اجتماعی طور پر جو قوم غلط راستے پر چلتی ہے اس کی سعی و عمل ثمر بار ہونے کی بجائے جل کر خاکستر ہو جاتی ہے۔ یہ جَھَنَّم ہے۔ اور اس کا نتیجہ ذلت و رسوائی۔ اس کی تفاصیل قرآن کے مختلف مقامات میں ملیں گی۔ اسی طرح اس معاشرہ میں رہنے والے افراد کے جوہر انسانیت جل کر راکھ کا ڈھیر ہو جاتے ہیں۔

اس مقام پر اتنا سمجھ لینا ضروری ہے کہ جہنم' انسان کے اپنے اعمال ہی سے بنتی ہے۔ اس لئے کہا گیا ہے کہ: وَاِنَّ جَهَنَّمَ لَمُحِيْطَةٌ بِالْكٰفِرِيْنَ (29:54) - ''یقیناً جہنم کفار کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہے''۔ وَمَا هُمْ عَنْهَا بِغَآئِبِيْنَ (82:16) - یہ اس کی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں۔ وہ انہیں اب بھی دیکھ رہی ہے۔ ان کے سامنے ہی ہے' لیکن ان کا عدم احساس اسے ان کی نظروں سے اوجھل کئے ہوئے ہے۔ جب ان کی آنکھیں کھل جائیں گی تو وہ ابھر کر سامنے آ جائے گی۔ وَبُرِّزَتِ الْجَحِيْمُ لِمَنْ يَّرٰى (79:36) - وہ دیکھنے والے کے لئے ابھر کر سامنے آ جائے گی۔ یہ وہ کیفیت ہے جس کے متعلق کہا گیا ہے کہ یہ لوگ اس میں ''یوم الدین'' میں داخل ہوں گے يَّصْلَوْنَهَا يَوْمَ الدِّيْنِ (82:15) - يَوْمَ الدِّيْنِ ظہورِ نتائج کا زمانہ ہے' اس دنیا میں یا مرنے کے بعد۔

ج و ب

اَلْجَوْبُ. قطع کرنا۔ پھاڑنا۔ سوراخ کرنا۔ یہ اس مادہ کے اصلی معنے ہیں (تاج)۔ قرآن کریم میں ہے وَثَمُوْدَ الَّذِيْنَ جَابُوا الصَّخْرَ بِالْوَادِ (89:9) - اور ثمود جو وادی میں پہاڑوں کی چٹانوں کو تراش کر (اپنے مکان بناتے تھے)۔ اَلْجَوْبَةُ. مکانات کے پچھواڑے جو گڑھا سا بن جائے جس میں بارش کا پانی جمع ہو جائے (تاج)۔ اَلْجَوْبُ ڈھال کو بھی کہتے ہیں (تاج)۔

اَجَابَ. يُجِيْبُ. اِجَاباً و اَجَابَةً. جواب دینا۔ (اس لئے کہ جواب دینے والا جب کسی کی بات کا جواب دیتا ہے تو وہ اس کے منہ سے نکل کر سائل کے کانوں تک کا فاصلہ قطع کرتی ہے۔ ویسے سوال بھی یہ فاصلہ طے کرتا ہے لیکن یہ لفظ جواب کے لئے خاص ہو گیا ہے۔ راغب)۔ اس سے اسمِ فاعل مُجِيْبٌ ہے۔ جواب دینے والا۔ قرآن میں ہے اِنَّ رَبِّيْ قَرِيْبٌ مُّجِيْبٌ (11:61) - ''یقیناً میرا رب قریب ہی ہے اور بات کا جواب بھی دیتا ہے۔'' سورۃ بقرہ میں ہے

اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (2:186) - ''میں ہر پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔'' دعا اور خدا کی طرف سے اس کے جواب کے صحیح مفہوم کے لئے (د۔ع۔و) کا عنوان دیکھئے۔ یہاں صرف اتنا بتا دینا کافی ہے کہ دُعَـا سے مفہوم ہے خدا کے قوانین کا اتباع کرنا اور اس کی طرف سے جواب کے معنی ہیں ان قوانین کا نتیجہ خیز ہونا۔ چنانچہ سورۃ المومن میں ہے: وَقَالَ رَبُّکُمُ ادْعُوْنِیْٓ اَسْتَجِبْ لَکُمْ (40:60) - ''تمہارا نشوونما دینے والا کہتا ہے کہ تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔'' اس کے بعد ہے: اِنَّ الَّذِیْنَ یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ سَیَدْخُلُوْنَ جَھَنَّمَ دٰخِرِیْنَ (40:60) - جو لوگ میری اطاعت گزاری سے سرکشی برتتے ہیں وہ ذلیل ہو کر جہنم میں داخل ہوں گے۔'' اسی پوری آیت سے واضح ہے کہ دعا درحقیقت '' یَسْتَکْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِیْ '' کی ضد ہے۔ لہٰذا دعا سے مقصود خدا کی محکومیت اختیار کرنا ہے۔ اسی لئے اس سے ذرا پہلے ہے وَمَا دُعٰٓؤُا الْکٰفِرِیْنَ اِلَّا فِیْ ضَلٰلٍ (40:50) - ''جو لوگ قوانین خداوندی سے انکار کرتے ہیں ان کی دعا کبھی نتیجہ خیز نہیں ہوتی۔'' یہی وجہ ہے کہ سورۃ بقرہ میں جہاں یہ کہا ہے کہ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ (2:186) - ''میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں'' تو اس کے ساتھ ہی یہ بھی کہہ دیا کہ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ (2:186) - ''لہٰذا انہیں چاہئے کہ میرے قوانین پر ایمان رکھیں اور میری اطاعت کریں'' یہ لوگ یہ کچھ کریں اور میں ان کی سعی و عمل کو نتیجہ خیز کروں گا۔ یہ ہے دعا اور اجابتِ دعا کا قرآنی مفہوم۔ یعنے جو کچھ خدا کے تقاضے ہیں انہیں تم پورا کرو۔ جو کچھ تمہارے تقاضے ہوں گے خدا انہیں پورا کر دے گا۔ یہی خدا کا قانون ہے۔ جو شخص حسن کارانہ انداز سے اس کے قوانین کے مطابق زندگی بسر کرتا ہے وہ اس کی محنت کو رائیگاں نہیں جانے دیتا۔ وَاصْبِرْ فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُضِیْعُ اَجْرَ الْمُحْسِنِیْنَ (11:115) - ''اور استقامت سے جمارہ۔ بے شک اللہ محسنین کا اجر ضائع نہیں کرتا۔'' اور کوشش کے بغیر کچھ ملتا نہیں۔ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی (53:39) - ''انسان کے لئے کچھ نہیں بجز اس کے جس کے لئے وہ کوشش اور محنت کرے۔''

سوال دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک تو کسی بات یا مسئلہ کا دریافت کرنا اور دوسرے امداد و اعانت طلب کرنا۔ لہٰذا اس اعتبار سے جواب کی بھی دو قسمیں ہوں گی اور اجابت و استجابت' ان دونوں قسموں کے جواب کے لئے بولا جائے گا۔ یعنی کسی سوال کا جواب دینا' یا کسی مانگ اور مطالبہ کو پورا کر دینا۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عارف محمود کسانہ، سویڈن
arifkisana@gmail.com

بچوں کے لیے اسلامی اور معلوماتی کہانی

اللہ تعالیٰ کے بارے قرآن مجید کا بیان

ایشال اپنے امی، ابو اور چچا زاد بہن بھائیوں کے ساتھ دریا کے کنارے پکنک منانے آئی ہوئی تھی۔ سب بچے بہت خوش تھے۔ انہوں نے وہاں خوب مزا کیا اور کھیل کود بھی کی۔ دریا میں کشتی کی سیر سے تو بچے اور بھی لطف اندوز ہوئے۔ موسم بھی بہت خوشگوار تھا اس لیے بعد میں انہوں نے دریا کے کنارے بنے ہوئے پارک میں بیٹھ کر چاٹ، دہی بھلے، سموسے اور مزے کی دوسری چیزیں کھائیں۔ بچے وہاں اور رُکنا چاہتے تھے مگر شام ہونے سے پہلے گھر پہنچنا تھا اس لیے واپسی کا راستہ اختیار کرنا پڑا۔ گھر آ کر بچے اپنے کمرے میں بیٹھ گئے اور آپس میں باتیں کرنے لگے۔ ایشال دوسرے بچوں کو وہ باتیں بتانے لگی جو اُس کی امی نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اُسے بتائی تھیں۔ بچے بہت دلچسپی سے سُن رہے تھے۔ ایشال نے یہ بھی بتایا کہ اُس کی امی نے اللہ تعالیٰ کے بارے میں اُس کے ذہن میں آنے والے بہت سے سوالوں کے جوابات بھی دیے تھے جس سے وہ بہت مطمئن ہوگئی تھی۔ بچے ابھی یہ باتیں کر ہی رہے تھے کہ ایشال کی امی بھی کمرے میں آ گئیں اور بچوں سے پوچھنے لگیں کہ کیا ہو رہا ہے۔ ایشال نے بتایا کہ امی میں انہیں وہ باتیں بتا رہی ہوں جو آپ نے مجھے اللہ تعالیٰ کے بارے میں بتائی تھیں۔ امی نے کہا یہ تو بہت اچھا ہے۔ جو بھی اچھی باتیں معلوم ہوں وہ ضرور دوسروں کو بتانی چاہیے تاکہ انہیں بھی معلوم ہوں۔ بچے ایشال کی امی سے کہنے لگے آنٹی ہمارے ذہن میں کچھ اور سوال آ گئے ہیں آپ ہمیں بھی ہمارے سوالوں کے جواب دیں۔ بچوں میں سے عبداللہ نے کہا۔ ایشال کی امی کہنے لگیں ٹھیک ہے آؤ ہم اِس بارے میں باتیں کرتے ہیں۔

عبداللہ۔ اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھنے کے بارے میں قرآن حکیم کا کیا حکم ہے۔

بیٹا قرآنِ حکیم ہمیں اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا حکم دیتا ہے۔ ہم اللہ کی ذات کی حقیقت کے بارے میں نہیں جان

سکتے اور نہ ہی یہ ہم سے مطالبہ ہے۔ اللہ وہ بلند ہستی ہے جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہے اور جس کے سامنے انسانی عقل محوِ حیرت رہ جاتی ہے۔ انسان تو کائنات کا تصور نہیں کرسکتا تو پھر اُسے پیدا کرنے والے کا تصور کیسے کرے گا۔ اُس کا اقتدار پوری کائنات پر ہے اِسی لیے اُسی کی حاکمیت اور محکومی اختیار کی جائے۔ قرآن حکیم بھی ہمیں اللہ کے وجود کا پتہ دیتا ہے کیونکہ قرآن جیسی کتاب کوئی انسان نہیں لکھ سکتا۔ ہمارا اللہ سے تعلق بھی قرآن مجید کے ذریعے ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے مراد بھی یہی ہے کہ اُس کے قوانین جو قرآن مجید میں ہیں اُن پر عمل کیا جائے۔ صرف یہ مان لینا کافی نہیں کہ اس کائنات کو پیدا کرنے والا خدا ہے بلکہ خدا پر ایمان رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کے تمام شعبوں میں اللہ کے حکم اور قانون پر عمل کریں۔

عبداللہ۔ اللہ پر ایمان لانے کا ہمیں اپنی عملی زندگی میں کوئی فائدہ بھی ہے۔

اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اُس کی حاکمیت قبول کرنے کا مقصد یہ نہیں کہ اللہ ہم سے اپنا حکم منوانا چاہتا ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کو کوئی فائدہ ہوتا ہے یا اللہ کو ہماری اطاعت کی ضرورت ہے۔ ایسا نہیں ہے بلکہ اِس میں ہمارا ہی فائدہ ہے۔ ہم اگر اللہ کا حکم نہ بھی مانیں تو اس سے اللہ تعالیٰ کو کوئی فرق نہیں پڑے گا کیونکہ وہ تو پوری کائنات کا رب ہے اور ہر چیز اس کی اطاعت کرتی ہے۔ کائنات کی ہر چیز اُس کے حکم کی پابند ہے۔ سورج' چاند' زمین اور ستارے اُس کے متعین کئے ہوئے راستہ پر گامزن ہیں اور ایک لمحہ کی بھی تاخیر نہیں کرتے۔ ہماری حیثیت تو کائنات میں کچھ بھی نہیں۔ اللہ پر ایمان لانے یعنی توحید سے خود ہمیں بہت فائدہ ہوتا ہے۔ اللہ پر ایمان سے انسانوں کو دوسرے انسانوں سے مکمل آزادی حاصل ہو جاتی ہے۔ کوئی شخص بھی کسی دوسرے پر اپنا تسلط نہیں جما سکتا۔ توحید سے انسانوں کو عزتِ نفس اور وقار ملتا ہے اور دوسروں کی بالادستی اور تسلط سے ہمیشہ کے لیے نجات مل گئی ہے۔ صرف ایک ہی طاقت ہے جس کی سب نے اطاعت کرنی ہے۔ اب مذہب کے نام پر کوئی انسان دوسروں کو اپنا محکوم نہیں بنا سکتا۔

ایشال۔ امی قرآن مجید میں اللہ کے بارے میں کیا آیا ہے۔

قرآن مجید میں اللہ کی بہت سی صفات بیان ہوئی ہیں انہیں اسماء الحسنٰی کہا جاتا ہے۔ اِن ناموں میں اللہ تعالیٰ کی صفتوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ اِن کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان اللہ کے بارے میں جانتے ہوئے وہی خوبیاں اپنے آپ میں پیدا کرتا جائے تاکہ انسانی ذات کی نشوونما ہوتی جائے اور اس طرح وہ اللہ کے قریب ہو جاتا ہے۔ قرآن

حکیم میں کئی جگہ پر اللہ کے ہاتھ کا ذکر ہے جس کا مطلب ہماری طرح کے ہاتھ اور آنکھ نہیں بلکہ یہ سمجھانے کے لیے ہے کہ اللہ کے پاس ہر طرح کی قدرت ہے۔ اِسی طرح اللہ کے عرش اور کرسی کا مطلب بھی اللہ کی حاکمیت اور کائنات پر مکمل اقتدار ہے۔

عبداللہ۔ اللہ تعالیٰ کی مرضی سے کیا مراد ہے۔ اللہ جو چاہے وہی ہوتا ہے تو پھر ہم کوشش کس طرح کر سکتے ہیں۔

یہ بہت ہی اہم سوال ہے اور اس کے جواب میں یہ سمجھو کہ اِس کے تین مرحلے ہیں۔ پہلا مرحلہ وہ تھا جب اللہ تعالیٰ اِس کائنات کی تخلیق کر رہا تھا اُس وقت اللہ نے اپنی مرضی سے کائنات کو بنایا اور اس کے اصول بنائے جس میں کسی اور کا کوئی عمل دخل نہیں تھا۔ اُس نے جیسے چاہا کائنات اور اُس کی اشیاء کو بنایا۔ جب کائنات اور اُس کی اشیاء کی تخلیق ہوگئی تو پھر دوسرا مرحلہ آیا جس میں وہ تمام چیزیں اور اشیاء اللہ کے بنائے ہوئے قوانین کے تحت چلتی ہیں۔ کائنات کی تمام چیزیں اللہ کے بنائے ہوئے قوانین اور اصولوں کی اطاعت پر مجبور ہیں اور اُس میں لحہ برابر بھی کوتاہی نہیں کرتیں۔ کوئی بھی اللہ کے بنائے ہوئے قوانین میں میں تبدیلی نہیں کر سکتا۔ اُس نے آگ میں جلانے کی صفت پیدا کی' پانی میں نشیب کی طرف بہنے کی صلاحیت' زمین میں کشش ثقل رکھ دی جو ہر چیز کو اپنی طرف کھینچتی ہے اور اِسی طرح تمام اشیاء میں خوبیاں اور صلاحیتیں رکھ دی ہیں۔ اس کے بعد تیسرا مرحلہ وہ ہے جس میں اُس نے انسان کی تخلیق کی اور انسانوں کے لیے بھی قوانین بنائے ہیں۔ انسانوں اور کائنات کی دوسری چیزوں میں فرق یہ ہے کہ باقی سب کے پاس کوئی اختیار نہیں جبکہ انسان کے پاس اختیار ہے اور انسان اپنے عمل کا ذمہ دار ہے۔ یعنی انسان کو اختیار دیا ہے کہ وہ چاہے تو اللہ کے حکم کے مطابق چلے یا چاہے تو نافرمانی کرے لیکن جو نافرمانی کرے گا اُسے غلط راستہ پر چلنے کا نتیجہ بھگتنا پڑے گا۔ اگر ہم اپنی مرضی سے کوئی غلط کام کریں اور پھر یہ کہہ دیں کہ یہ تو اللہ کی مرضی تھی تو ایسا کرنا غلط ہے۔ اگر تم سکول نہ جاؤ تو ظاہر ہے کہ تم اگلی جماعت میں نہیں جا سکتے اور یہ تمھارا اپنا قصور ہے مگر تم یہ کہو کہ اللہ کی مرضی ہی ایسی تھی تو یہ بالکل غلط بات ہوگی۔ یہی اصول زندگی کے دیگر تمام شعبوں کے لیے ہے۔ اللہ کی مرضی یا اُس کا چاہنا دراصل اللہ تعالیٰ کا قانون ہوتا ہے۔ ایک مسلمان صرف اللہ کے قانون پر عمل کرتا ہے۔ وہ قانون ہمارے پیارے رسول حضرت محمد ﷺ کے ذریعہ قرآن مجید کی صورت اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے بھیجا ہے۔ ہمیں وہی کرنا چاہیے جو اللہ کی مرضی ہو اس طرح ہی ہماری یہ زندگی خوشگوار بھی ہوگی اور اگلی زندگی میں بھی کامیابی ملے گی۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عطاؔ الحق قاسمی

attaul.haq@janggroup.com.pk

واللہ خیر الماکرین

موت نے آئینے میں اپنی شکل دیکھی اور خوفزدہ ہو کر منہ دوسری طرف پھیر لیا۔

اس نے اپنے چہرے پر خوبصورت چہرے کا ماسک چڑھایا جس میں اس کی بدصورتی چھپ گئی۔

اس کے پاس ان افراد کی ایک طویل فہرست تھی' جن کی طرف اس نے آج جانا تھا' اس نے یہ فہرست جیب میں ڈالی اور اپنی ڈیوٹی پر روانہ ہوگئی۔

اس کا پہلا پڑاؤ ایک شیخ صاحب کی طرف تھا' موت نے ان کے دروازے پر بیل دی' شیخ صاحب باہر آئے' انہوں نے اسے اندر آنے کی دعوت دی' موت ان کے پیچھے پیچھے ان کے ڈرائنگ روم میں چلی آئی' شیخ صاحب نے خوشگوار موڈ میں موت کو مخاطب کیا اور پوچھا ''میڈم'' آپ کیسے آئی ہیں؟'' موت نے کہا ''میں موت ہوں اور آپ ہی کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔'' شیخ صاحب پر کپکپی طاری ہوگئی' انہوں نے لڑکھڑاتی زبان سے کہا ''کیا میں اپنے بیٹے سے آخری ملاقات کر سکتا ہوں؟'' موت نے جواب دیا ''کیوں نہیں'' شیخ صاحب کے دل میں لڈو پھوٹنے لگے' انہیں موت کی سادہ لوحی پر ہنسی آ رہی تھی۔ انہوں نے اپنی جگہ سے اٹھتے ہوئے کہا ''ابھی حاضر ہوتا ہوں''۔ موت بولی ''آپ یہیں تشریف رکھیں' بیٹے کو آواز دے کر اسے یہاں حاضر ہونے کا کہیں'' شیخ صاحب کے چہرے پر مردنی چھا گئی۔ انہوں نے بیٹے کو آواز دی۔ بیٹا اندر آیا' شیخ صاحب نے اسے بارہ چودہ کاروباری لوگوں کے نام بتائے جن کی طرف ان کی خاصی رقم نکلتی تھی۔ بیٹا حیران ہوا کہ ایک اجنبی مہمان کی موجودگی میں خاص طور پر اسے اندر بلا کر یہ بات کرنے کی کیا ضرورت تھی' شیخ صاحب اس کی پریشانی کو بھانپ گئے اور کہا ''بیٹے یہ موت ہے جو میرے لئے آئی ہے''۔ بیٹے پر غشی کا دورہ پڑ گیا' جب وہ سنبھلا تو اس نے کہا ''ابا جی چونکہ آپ اللہ کے حضور جا رہے ہیں لہٰذا آپ نے اگر کسی کے کچھ پیسے دینے ہوں تو ان کے نام بھی بتا دیں' تاکہ میں آپ کے بعد اس فرض سے عہدہ برآ ہو سکوں'' شیخ صاحب نے کہا ''بیٹے میرا وقت آ گیا ہے' میں تمہیں اور اپنے قرض خواہوں کو اللہ کے سپرد

کرتا ہوں'' یہ کہتے ہوئے انہوں نے موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور اللہ کو پیارے ہو گئے۔

اب موت نے چوہدری صاحب کی طرف جانا تھا' چوہدری صاحب ایک بہت بڑے جاگیردار تھے' ان کا ایک ڈیپارٹمنٹل اسٹور بھی تھا' زمینوں اور اسٹور سے ان کی روزانہ آمدنی کروڑوں روپے تھی مگر وہ صرف تین ہزار روپے سالانہ انکم ٹیکس ادا کرتے تھے۔ انہوں نے خوبصورت خاتون کو اپنے ہاں دیکھا تو اس کی بہت آؤ بھگت کی' ملازم سے کہا کہ وہ چائے رکھ کر چھوڑ جائے' پھر جب ضرورت ہو گی تو اسے اندر بلا لیا جائے گا' اس کے بعد اپنی دونوں کہنیاں اپنے گھٹنوں پر رکھ کر آگے کی طرف جھکے اور چہرے پر خوبصورت سی مسکراہٹ کا جال پھیلاتے ہوئے بولے ''میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟'' موت نے اپنی کھنکھناتی آواز میں قہقہہ لگایا اور بولی ''جناب میں تو آپ کی خدمت کے لئے حاضر ہوئی ہوں۔'' چوہدری صاحب کھلکھلا اٹھے اور بولے ''وہ کیسے؟'' موت نے کہا ''آپ ان دنوں اپنے کالے دھن کی وجہ سے پریشان رہتے ہیں' آپ کے خلاف کئی انکوائریاں کھلی ہوئی ہیں' آپ پر مویشی چوری اور مزارعوں کو تشدد سے ہلاک کرنے کا الزام بھی ہے' میں آپ کو ان سب الجھنوں سے نجات دلانے آئی ہوں۔'' چوہدری صاحب کا چہرہ ایک دفعہ پھر کھل اٹھا اور پوچھا ''وہ کیسے؟'' موت نے کہا ''ایسے'' اور پھر اس نے جیب میں سے چوہدری صاحب کے نام پرکراس لگایا اور اپنے تیسرے شکار کی طرف چل دی۔

اب وہ مولانا فتنہ پرداز امروہوی کی قیام گاہ پر تھی۔ مولانا نے اسے خوش آمدید کہا' حلوے کی پلیٹ اس کے سامنے رکھی۔ وہ اسے اپنے ہاتھوں سے حلوہ کھلانا چاہتے تھے مگر موت نے کہا ''شکریہ میرے اپنے ہاتھ موجود ہیں'' مولانا جھینپ سے گئے' مگر فرمایا کوئی بات نہیں یہ بتایئے اس گناہ گار کی طرف کیسے آنا ہوا؟'' موت بولی ''آپ گنہگار کہاں' آپ تو گنہگاروں کی نشاندہی کرتے رہتے ہیں بلکہ آپ نے تو لاکھوں مسلمانوں کو عقائد میں اختلافات کی وجہ سے صرف گنہگار نہیں بلکہ کافر قرار دے رکھا ہے''۔ مولانا فتنہ پرداز امروہوی نے کہا ''آپ مجھے کیوں کانٹوں میں گھسیٹتی ہیں' یہ گنہگار آپ کے ان حسین جملوں کا حقدار نہیں تاہم مجھ پر اللہ کا خاص کرم ہے کہ میں کافر کو کافر کہنے کی ہمت رکھتا ہوں کیونکہ کافر کو کافر نہ کہا جائے تو انسان خود کافر ہو جاتا ہے۔ اللہ نے مجھے اس کا اجر بھی بہت دیا ہے۔ کئی مسلمان ممالک کے سربراہوں کی طرف سے میری ان کاوشوں کے حوالے سے مجھے مالی معاونت بھی حاصل ہوتی رہتی ہے۔ موت بولی ''مردِ مومن کی نشانی کیا ہے؟'' مولانا نے مسکراتے ہوئے فرمایا ''بہت سی ہیں' ایک نشانی یہ بھی ہے کہ جب موت آتی ہے تو اس کے چہرے پر مسکراہٹ ہوتی

ہے۔'' موت نے ان کے نام کے آگے کراس لگایا اور حضرت کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہوگئی اور ان کی گردن ایک طرف کو لڑھک گئی۔

موت کی اگلی ملاقات ایک کالم نگار سے تھی' یہ کالم نگار حکومتوں کو للکارتا تھا۔ آمریتوں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کرتا تھا' وہ سمجھتا تھا کہ آئین جوانمرداں' حق گوئی و بیباکی ہے' تاہم وہ اس حق گوئی کا مظاہرہ حکومتوں اور آمریتوں کے کمزور ہونے یا ان کے خاتمے کے بعد کرتا تھا۔ اس کی سیاستدانوں کے ساتھ کبھی نہیں بنی تھی وہ ہر اچھے برے سیاستدان کو ایک ہی لاٹھی سے ہانکتا تھا' وہ ''پارلیمنٹ سے بازارِ حسن تک'' ایسی کتابیں ڈھونڈ ڈھونڈ کر پڑھتا تھا اور ان کے اقتباسات سے اپنے کالم کو مزین کرتا تھا' اسے ایک محبِّ وطن ایجنسی کی طرف سے اسی نوعیت کی کتابیں اور مواد تحفتاً موصول ہوتے رہتے تھے۔ موت نے اس کے گھر کا دروازہ کھٹکھٹایا تو یہ کالم نگار اپنے گنجے سر پر ٹوپی پہن کر باہر نکلا۔ یہ کالم نگار بعض اوقات وہی کرتا تھا جو اس کا دل چاہتا تھا' ایسا کرتے وقت وہ بالکل جھجکتا نہیں تھا' اس نے ایک خوبصورت عورت کو سامنے دیکھا تو اس سے رہا نہ گیا اور اس نے آگے بڑھ کر اسے گلے لگا لیا۔ اسے علم نہیں تھا کہ یہ موت ہے اور یوں وہ کھڑے کھڑے موت کے بازوؤں میں جھول گیا۔

موت نے اپنی جیب میں سے فہرست نکالی' اس میں اگلا نام ایک سیاستدان کا تھا۔ موت اس کی رہائش گاہ کی طرف روانہ ہوگئی' سیاستدان نے اسے دیکھا تو اس کا دل باغ باغ ہوگیا لیکن موت نے جب اسے بتایا کہ وہ موت ہے اور اس کے پاس اسی حوالے سے حاضر ہوئی ہے تو ایک لمحے کے لئے وہ گھبرا گیا۔ مگر پھر اس نے خود کو سنبھالتے ہوئے کہا ''کوئی بات نہیں ''کل نفس ذائقۃ الموت'' آپ تشریف رکھیں' چائے پیئیں اور پھر حکم خداوندی کے تحت میری جان لے لیں۔'' سیاستدان نے اس کے لئے چائے بنائی اور اس دوران چپکے سے اس میں نیند کی گولی ڈال دی۔ چائے پیتے ہی موت گہری نیند سوگئی' اس کے سوتے ہی سیاستدان نے اس کی جیب میں سے موت کے حکم نامے کی فہرست نکالی' یہ پانچ سو افراد پر مشتمل تھی' اس نے فہرست میں اپنا نام چوتھے نمبر سے نکال کر سب سے آخر میں لکھ دیا۔ موت نیند سے بیدار ہوئی اور کہا ''میں تمہارے اخلاق اور مہمان نوازی سے بہت خوش ہوئی ہوں' چنانچہ میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تمہاری بجائے' میری فہرست میں جو سب سے آخری نام ہے میں وہاں سے اپنی کاروائی شروع کروں'' چنانچہ اس نے آخری نام پر کراس لگا دیا اور سیاستدان کی گردن وہیں لڑھک گئی۔

اس کہانی میں بہت سی نصیحتیں ہیں۔ ہر قاری اپنے خیالات کے مطابق ان سے مستفید ہوسکتا ہے تاہم اس میں پوشیدہ ایک نصیحت یہ بھی ہے کہ سب سے مکر کیا جا سکتا ہے' اللہ سے نہیں کہ وہ خود ''خیر الماکرین'' ہے۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور 2-4-2012)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

قرآن حکیم کے طالب علموں کے لیے خوشخبری

علامہ غلام احمد پرویزؒ کے سات سو سے زائد دروسِ قرآنی پر مبنی تفسیری سلسلہ کے تحت بزمِ طلوع اسلام لاہور کی طرف سے مندرجہ ذیل تفسیری کتب کی اشاعت الگ الگ جلدوں میں ہوچکی ہے۔ یہ جلدیں 20x30/8 کے بڑے سائز کے بہترین کاغذ پر خوبصورت طباعت اور مضبوط جلد بندی کے ساتھ دستیاب ہیں۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے۔

نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ	نام کتاب	سورہ نمبر	صفحات	نیا ہدیہ
سورہ الفاتحہ	(1)	240	160/-	سورۃ الشعرآء	(26)	454	325/-
سورہ الفاتحہ (سٹوڈنٹ ایڈیشن)	(1)	240	110/-	سورۃ النمل	(27)	280	225/-
سورۃ البقرہ (اول)	(2)	500	350/-	سورہ القصص	(28)	334	250/-
سورۃ البقرہ (دوم)	(2)	538	350/-	سورہ عنکبوت	(29)	388	275/-
سورۃ البقرہ (سوم)	(2)	500	350/-	سورہ روم' لقمان' السجدہ	(30,31,32)	444	325/-
سورۃ النساء	(4)	870	700/-	سورہ احزاب' سبا' فاطر	(33,34,35)	570	325/-
سورہ النحل	(16)	334	250/-	سورہ یٰسٓ	(36)	164	125/-
سورہ بنی اسرائیل	(17)	396	275/-	سورہ الصفٰت' صٓ' زمر	(37,38,39)	450	400/-
سورۃ الکہف وسورہ مریم	(18-19)	532	325/-	29واں پارہ (مکمل)	----	544	325/-
سورہ طٰہٰ	(20)	416	275/-	30واں پارہ (مکمل)	----	624	325/-
سورۃ الانبیآء	(21)	336	225/-				
سورۃ الحج	(22)	380	275/-				
سورۃ المؤمنون	(23)	408	300/-				
سورۃ النور	(24)	264	200/-				
سورۃ الفرقان	(25)	389	275/-				

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام (رجسٹرڈ)' 25/B' گلبرگ 2' لاہور' فون نمبر: 35714546-42-92+

بزم ہائے طلوع اسلام اور تاجر حضرات کو ان ہدیوں پر تاجرانہ رعایت دی جائے گی۔ ڈاک خرچ اس کے علاوہ ہوگا۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

ڈاکٹر عطاء الرحمٰن
ibne_sinna@hotmail.com

اعلیٰ تعلیم کا مستقبل۔ بھارت' پاکستان

بھارتی HRD وزیر کپل سبال نے حال ہی میں لوک سبھا کو بتایا ہے کہ اگلے پانچ سالوں میں ملک بھر میں 200 نئی یونیورسٹیاں اور 40 نئے اعلیٰ تعلیمی اداروں کے قیام کے ساتھ ساتھ 9 اضافی IITS بھی قائم کئے جائیں گے۔ اس طرح بھارت میں IITS کی تعداد 16 ہو جائے گی۔ بھارت کے بارہویں پانچ سالہ (1212-1217) منصوبے میں تعلیم کے شعبے کے لئے خطیر رقم مختص کی گئی ہے تاکہ ملک کو علم پر مبنی مضبوط معیشت کی طرف لے جایا جا سکے۔ اب تک تعلیمی شعبے کے اخراجات کے لئے مختص کی جانے والی یہ سب سے کثیر رقم ہے۔ بھارت میں اعلیٰ تعلیمی اداروں میں داخلہ لینے والے 23-17 سال کی عمر کے افراد اس ملک کے نوجوان طبقے کا 17 فیصد ہیں۔ (اس کے مقابلے میں پاکستان میں یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم افراد اس کے نوجوان طبقے کا صرف 7.6 فیصد ہیں)۔ 2030ء تک بھارت اعلیٰ تعلیم سے وابستہ نوجوان طبقے کی اس تعداد کو بڑھا کر 30 فیصد تک لے جانا چاہتا ہے۔ (چیتن چوہان' ہندوستان ٹائمز' نیو دہلی' اپریل 24' 2010ء)۔ بھارتی کابینہ نے دسمبر 2011ء میں یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کی جگہ ایچ ای سی کی طرز پر خطیر وفاقی فنڈ کی مدد سے اعلیٰ تعلیم اور تحقیق کے لئے کمیشن (National Commission of Higher Education and Research) کے قیام کی منظوری دی ہے۔ 2010ء کی دہائی میں پاکستان میں تیزی سے رونما ہونے والی ان تبدیلیوں نے بھارت میں ایک کھلبلی سی مچا دی تھی۔ پروفیسر سی این آر راؤ کی طرف سے جولائی 2006ء میں بھارت کے وزیر اعظم کو اعلیٰ تعلیمی اعتبار سے پاکستان میں ہونے والی تبدیلیوں کے پیش نظر ممکنہ خطرات سے آگاہ کرنے کے لئے ایک تفصیلی رپورٹ پیش کی گئی' جو ہندوستان ٹائمز میں 3 جولائی 2006ء کے اخبار میں نیہا مہتا نے اپنے مقالہ بعنوان۔ "Pak threat to Indian Science" یعنی بھارتی سائنس کے لئے پاکستان کی طرف سے خطرہ میں شائع کی گئی اور مضمون کا آغاز ہی اس جملے سے کیا گیا تھا کہ سائنسی میدان میں بھارت کو سنجیدہ چیلنج دینے کے معاملے میں پاکستان جلد ہی چین کا ہم پلہ ہو جائے گا۔ بھارتی

وزیراعظم کو پیش کردہ اس رپورٹ میں بھارت کے اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں نئے سرے سے اصلاحات متعارف کرائی گئیں۔ بھارت شروع سے ہی اعلیٰ تعلیم اور سائس وٹیکنالوجی کو اولین ترجیح دیتا چلا آیا ہے اور یہی خصوصی ترجیح آج کے دور کے جدید ہندوستان کی بنیاد ہے۔ بھارت کے پہلے وزیراعظم جواہر لال نہروان کلیدی شعبوں کی ترقی میں ذاتی دلچسپی لیتے ہوئے ان کی خودنگرانی کیا کرتے تھے۔ بھارت نے مغرب کے ترقی یافتہ ملکوں کے تعاون سے ملک میں انجینئرنگ کے سات بہترین انڈین انسٹیٹیوٹ آف ٹیکنالوجی (IIT) کے نام سے قائم کئے ہیں۔

گزشتہ دہائی میں پاکستان نے اعلیٰ تعلیم کے شعبے میں تیزی کے ساتھ پیشرفت کی تھی' اس کا اندازہ اعلیٰ تعلیمی اداروں میں زیرتعلیم طالب علموں کی بڑھتی ہوئی تعداد' یونیورسٹیوں اور دیگر ڈگری دینے والے اداروں میں اضافہ اور بین الاقوامی جرائد میں شائع شدہ تحقیقی مضامین میں برق رفتار اضافے سے لگایا جاسکتا ہے۔ 2003ء میں ملکی یونیورسٹیوں میں زیرتعلیم طالب علموں کی تعداد 276,000 تھی جو 2011ء میں بڑھ کر 803,000 ہوگئی۔ یونیورسٹیوں اور ڈگری دینے والے اداروں کی تعداد 2000ء میں صرف 59 تھی جو 2011ء میں خاطرخواہ اضافے کے ساتھ 137 ہوگئی۔ بین الاقوامی جرائد میں اعلیٰ تحقیقی مضامین کی اشاعت 2000ء میں 636 تھی جو 2011ء میں بڑھ کر 6200 تک جا پہنچی۔ Ph.D میں فارغ التحصیل ہونے والے طلباء کی تعداد میں غیرمعمولی اضافہ بھی اس بات کی روشن دلیل ہے۔ 1947ء سے 2002ء کے درمیانی پچپن سالوں میں ملک کی تمام یونیورسٹیوں کی مجموعی Ph.D کی تعداد 281 تھی (یعنی فی یونیورسٹی 3-4 Ph.Ds کا مایوس کن اوسط) اس کی نسبت اگلے 8 سالوں میں Ph.Ds کی تعداد پچھلے ریکارڈ سے کہیں تجاوز کرکے 3,658 ہوگئی۔ ان 8 سالوں میں تمام تر زور معیاری Ph.D افرادی قوت تیار کرنے پر دیا گیا۔ اس کے لئے Ph.Ds مقالے منظوری سے پہلے جانچ کے لئے کم ازم دو بین الاقوامی ماہرین کو بھجوائے جاتے ہیں' جو ٹیکنالوجی میں ترقی یافتہ ممالک سے تعلق رکھتے ہوں۔

اعلیٰ تعلیم کے سیکٹر میں جو یہ خاموش انقلاب برپا ہوا اسے غیرجانبدار بین الاقوامی ماہرین اور ایجنسیوں نے بے حد سراہا اور اس بارے میں مختلف رپورٹس بھی شائع کیں۔ رائل سوسائٹی لندن کی شائع کردہ کتاب "A New Golden Age" میں پاکستان کو ترقی پذیر ممالک کے لئے ایک بہترین ماڈل کے طور پر پیش کیا گیا۔ دنیا کے بہترین سائنسی جریدے Nature نے پاکستان میں اعلیٰ تعلیم کے شعبے کی ترقی وتبدیلی پر چار اداریئے اور متعدد مضامین شائع کئے۔ 2008ء میں

نئی حکومت کو دوبارہ سائنس کے اسی پتھر کے دور میں جانے سے بچنے کا مشورہ بھی دیا جو 2002ء کے بعد متعارف کرائی جانے والی اصلاحات سے پہلے کا دور تھا۔ 2008' 28 اگست (Nature 454 1030-2008, (7208) doi:10.1038/4541030a)

مجلسِ قائمہ سینٹ کمیٹی برائے تعلیم کی چیئر پرسن نے اس دور کو ''پاکستان میں اعلیٰ تعلیم کا سنہری دور'' قرار دیا اور میری دوبارہ تقرری کی حمایت بھی کی جبکہ میں نے اپنے عہدے سے اس وقت احتجاجاً استعفیٰ دے دیا تھا کیونکہ ایچ ای سی کی طرف سے اسکالرشپ پر بیرون ملک بھیجے جانے والے طلبہ کے وظیفوں کو روک دیا گیا تھا۔

(heep://epaperdawn.com/artMailDisp.aspex?article=23-11-2008-123- 003styp=0

تعلیمی اداروں کی تعمیر اور اس شعبے میں مؤثر تبدیلیوں کے نتیجے میں حاصل ہونے والی کامیابیوں پر مجھے آسٹریا کی حکومت نے اعلیٰ ترین سول اعزاز اور پھر بین الاقوامی ادارے TWAS نے TWAS Prize (اٹلی) سے نوازا۔

اعلیٰ تعلیم کے میدان میں 2008-2003ء کے دوران ہونے والی کامیابی کو پس پشت ڈالتے ہوئے' پاکستان میں ہم اپنے واحد کامیاب ادارے کو خود اپنے ہی ہاتھوں مکمل طور پر تباہ و برباد کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جو عوام کے لئے امید کی ایک کرن کی حیثیت رکھتا ہے۔ اول تو 2009ء میں تعلیمی بجٹ کو 50 فیصد کٹوتی کر کے آدھا کر دیا گیا۔ پھر بین الاقوامی یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والے ہزاروں طلباء و طالبات کے وظائف روک دیئے گئے' وہ طالب علم جو اپنا مستقبل روشن بنانے کے لئے اپنے گھروں سے نکلے تھے وہ پردیس میں سڑکوں پر بھیک مانگنے پر مجبور ہو گئے۔ یہی نہیں ایچ۔ای۔سی کے ایگزیکٹو ڈائریکٹر کے مرتبے کو وفاقی سیکریٹری کی حیثیت سے بھی کم کر دیا گیا تاکہ ایچ ای سی ڈیپارٹمنٹل ڈیولپمنٹ ورکنگ پارٹی (DDWP) کے اجلاس بلانے اور یونیورسٹیوں کے لئے پروجیکٹ منظور کرنے سے قاصر رہے۔ پاکستان کے بڑے شہروں میں غیر ملکی اشتراک سے انجینئرنگ یونیورسٹیوں کے قیام کے منصوبے بھی روک دیئے گئے۔ ان یونیورسٹیوں کے قیام سے ملک کو سالانہ پچاس بلین روپے کا فائدہ حاصل ہوتا اور مقامی طلبہ کو ملک ہی میں بیرونی ڈگری کے ساتھ اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے مواقع سے محروم کر دیا گیا۔ ایچ ای سی کا جرم یہ تھا کہ اس نے ملک کے قابل احترام ارکان پارلیمنٹ میں سے 51 کی ڈگریاں جعلی اور 250 کی مشتبہ قرار دی تھیں۔ کسی اور ملک میں اس عمل کا نتیجہ ان افراد کی معزولی کی صورت میں ہوتا اور دھوکہ دہی اور جعل سازی کے جرم کی سزا بھی ملتی۔ لیکن ہمارے الیکشن کمیشن نے ان مجرمانہ ذہنیت

رکھنے والے افراد کے انتخاب کو کالعدم قرار دینے کے بجائے انہی کے فراڈ میں شریک ہو کر سپریم کورٹ کے فیصلے کو نظر انداز کر دیا۔ خود سپریم کورٹ کا اس انتہائی اہم قومی معاملے پر چشم پوشی کرنا ہر کسی کی سمجھ سے بالاتر ہے جعلی ڈگریوں پر منتخب ہونے والے انہی ارکان پارلیمنٹ کا ایک ٹولہ آج ایچ ای سی کو ٹکڑے ٹکڑے کرنے کے درپے ہے۔ اس ٹولے کے دباؤ پر 30 نومبر 2010ء کو اس سے متعلق ایک حکومتی نوٹیفیکیشن بھی جاری کر دیا گیا۔ اس کے خلاف میں نے سپریم کورٹ میں اپیل دائر کی جس پر فیصلہ دیتے ہوئے سپریم کورٹ نے حکومتی اقدام کو غیر آئینی قرار دیا۔ اب ایک اور بل پارلیمنٹ میں پیش کیا گیا ہے جس میں ایچ ای سی کو اس کے 44 بلین روپے کے بجٹ سے محروم کر کے یہ رقم ایک وفاقی سیکریٹری کے حوالے کرنے کی تجویز دی گئی ہے۔ یہ قدم کرپشن اور بدعنوانی کے دروازے کھولنے کے مصداق ہوگا۔ ابھی تک اس فنڈ کی تقسیم کا اختیار ایچ ای سی کے سترہ رکنی کمیشن کے پاس ہے جس میں چار صوبائی سیکریٹری' دو وفاقی سیکریٹری' وائس چانسلرز اور چند ممتاز شہری شامل ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ بھارت اپنے اعلیٰ تعلیم کے شعبے کو مضبوط کرنے کے لئے سر دھڑ سے کوشاں ہے اور اس راستے پر قلانچیں بھرتے ہوئے نہایت تیزی سے رواں دواں ہے۔ اس کے برعکس پاکستان اپنے نااہل اراکین پارلیمنٹ کے ہاتھوں یرغمال بن کر تنزلی کی دلدل میں ڈوبتا ہی جا رہا ہے۔ پاکستان میں ایچ ای سی کی شاندار کامیابیوں سے متاثر بھارت نے تو ایچ ای سی کو ماڈل بنا لیا لیکن ہم خود انجام سے بے پروا ہو کر اس ادارے کو مکمل طور پر تباہ کرنے پر کمربستہ ہیں۔ یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہوتی جا رہی ہے کہ ہمارا دشمن بھارت نہیں بلکہ ہم خود ہیں۔ آج ہم اپنے ہی ہاتھوں اپنے ذہین بچوں کا مستقبل تاریک کر رہے ہیں۔

(بشکریہ روزنامہ جنگ لاہور' 11/12-5-2012)

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

ایک عظیم قرآنی خزانہ

قرآن مجید پر غور و فکر کرنے والوں کے لئے خوشخبری

مفکرِ قرآنِ مجید علامہ پرویزؒ صاحب کی زندگی بھر کی قرآنی بصیرت کو دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔

WWW.TOLUISLAM.COM

سی ڈی اور کتب کی خریداری ☆ بیرون ملک bazmdenmark@gmail.com, PDF.EBOOK

☆ اندرون ملک' فون: 35753666 42 92+' ای میل: trust@toluislam.com

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

راجہ عبدالعزیز خان، دھیرکوٹ، آزاد کشمیر

حسین یادوں کے اُجلے چراغ

مجھے یاد پڑتا ہے کہ علامہ پرویزؒ نے اپنے ایک دیرینہ دوست ''صدر صاحب'' (خان بخت جمال خان آف مردان) کی وفات پر اپنے تعزیتی مضمون میں انہیں عمارت کی بنیادوں میں استعمال کی گئی ان اینٹوں سے تشبیہہ دی تھی جو نظروں سے تو اوجھل ہوتی ہیں لیکن عمارت کا سارا بوجھ انہی پر ہوتا ہے، قارئین طلوع اسلام کے نزدیک راجہ محمد اسلم خان آف دھیرکوٹ کا نام یقیناً ایک اجنبی نام ہوگا کیوں کہ مرحوم کا تعلق بھی ایسی عظیم شخصیات سے تھا جو بغیر کسی نمود و نمائش کے یا کسی مفاد یا عہدے کی آرزو کے بغیر خاموشی اور استقامت کے ساتھ معاشرے کی بہتری کے لئے بڑے بڑے کام کر جاتے ہیں، بڑے دکھ اور افسوس کے ساتھ قارئین طلوع اسلام کو اطلاع دی جاتی ہے کہ گزشتہ ماہ مختصر علالت کے بعد ان کا انتقال ہو گیا تھا۔ مرحوم نے تقریباً 60 سال تک آزاد کشمیر کے اس پسماندہ علاقے میں نبی اکرم ﷺ کے لائے ہوئے آفاقی پیغام یعنی قرآن پاک کی لازوال تعلیمات کو ایک فریضہ سمجھ کر بڑی ہمت جرأت اور حکمت کے ساتھ معاشرے کے ہر طبقے تک پہنچایا۔ علامہ پرویزؒ کے پیش کردہ قرآنی نظریات سے بہت متاثر تھے۔ ماہنامہ طلوع اسلام اور پرویزؒ کا دیگر لٹریچر لوگوں کو پڑھنے کے لئے دینا اپنا فرض سمجھتے تھے۔ خود مجھے بھی انہی کی وساطت سے جناب پرویز صاحب کے لٹریچر تک رسائی ملی تھی اور کراچی میں پرویز صاحب کا ہفتہ وار لیکچر سننے کے لئے ہم اکٹھے اولڈ سندھ اسمبلی ہال جایا کرتے تھے۔ اس لئے میں انہیں مرشد کہا کرتا تھا۔

علامہ پرویزؒ کے خلاف لگنے والے غلط اور بے بنیاد الزامات اور اعتراضات کا جواب نا قابل تردید دلائل سے دیتے تھے۔ فکر پرویز کے تحت ان کا پختہ یقین تھا کہ نوع انسانی کو درپیش تمام مشکلات و ناہمواریوں کو صرف قرآن مجید کی اطاعت و اسوہ حسنہ ﷺ کی پیروی سے حل کیا جا سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اس جدوجہد کا صلہ انہیں ان کی زندگی میں دے دیا اور وہ خود مشاہدہ کرتے تھے کہ اب یہاں کوئی اجتماع ہو یا نجی محفل وہ ہر جگہ قرآن مجید کے ذکر کے ساتھ حضور ﷺ کی عظمت اور ان کے اعلیٰ مقام کا بھی چرچا ہوتا ہے۔ راجہ صاحب حضرت قائداعظمؒ اور حضرت علامہ اقبالؒ سے روحانی

عقیدت رکھتے تھے۔نظریہ پاکستان کے زبردست حامی تھے اوراس کے قیام کوایک دینی ضرورت سمجھتے تھے۔اس نظریے کے مخالفین سے انہیں شدید اختلاف تھا' 1947ء میں تعلیم کا سلسلہ معطل کر کے انہوں نے جوانی کی عمر میں جہاد کشمیر میں عملی حصہ لیا' بعد میں پاکستان آرمی میں شمولیت اختیار کی اور 1965ء کی پاک بھارت جنگ میں بھی حصہ لیا۔گاؤں کے لوگوں کے اصرار پر بلا مقابلہ کونسلر بھی منتخب ہوئے اور گاؤں کی اصلاحی کمیٹی کے آخر تک صدر رہے۔گہری قرآنی فکر ہونے کے ناطے مرحوم اخلاقی لحاظ سے انتہائی اعلیٰ کردار کے مالک تھے۔اقبال کے دیدہ ور مومن کے تمام اوصاف ہونے کے باوجود نطشے کے فوق البشر کی طرح متکبر یا مغرور نہیں تھے۔البتہ ارسطو کے مثالی انسان کی خوبیاں ان میں موجود تھیں۔ان خوبیوں کا ذکر ''ول ڈیورانٹ'' نے اپنی کتاب فلسفے کی کہانی میں یوں کیا ہے۔

''وہ ہر ایک کی خدمت کرتا ہے لیکن خود کسی سے خدمت لینا ننگ و عار سمجھتا ہے کیوں کہ احسان کرنا برتری کی علامت ہے اور ممنون احسان ہونا کہتری کا نشان ہے۔وہ اپنے آپ کو خواہ مخواہ جوکھم میں نہیں ڈالتا کیوں کہ وہ دنیا میں بہت کم چیزوں کو درخور توجہ سمجھتا ہے لیکن مناسب موقع پر جان دینے سے بھی گریز نہیں کرتا۔کیوں کہ وہ جانتا ہے کہ بعض حالات میں زندہ رہنا باعث ننگ ہے وہ عوام کے سامنے اپنے آپ کی نمود و نمائش نہیں کرتا اور اپنی پسند و ناپسند کا برملا اظہار کرتا ہے۔وہ صاف گو ہوتا ہے پاس ولحاظ اسے حق گوئی سے باز نہیں رکھ سکتا۔وہ کسی کی مبالغہ آمیز تعریف نہیں کرتا کیوں اس کی نظروں میں بہت ہی کم چیزوں کو عظیم سمجھا جا سکتا ہے وہ دوستوں کے سوا کسی کی تالیف قلب کا قائل نہیں ہوتا کیوں کہ صرف غلام ہی دوسروں کو خوش کرنے میں لگے رہتے ہیں۔کینہ پرور نہیں ہوتا اور دوسروں کا قصور معاف کر دیتا ہے وہ باتونی نہیں ہوتا اور لوگوں کی مدح اور بزم سے بے نیاز ہوتا ہے' وہ دشمنوں کی غیبت نہیں کرتا بلکہ انہیں سب کچھ منہ پر کہہ دیتا ہے۔اس کی چال باوقار' آواز گہری' گفتگو نپی تلی ہوتی ہے' چیخ چیخ کر باتیں کرنا اور جلد جلد قدم اٹھانا اندرونی خلفشار کی علامتیں ہیں۔وہ حوادث زمانہ کو تحمل اور وقار سے برداشت کرتا ہے۔'' (اقتباس روایت فلسفہ از سید علی عباس جلالپوری)۔

ول ڈیورانٹ کی تحریروں اور تصنیفات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ غالباً اس نے قرآن مجید کا دقت نظر سے مطالعہ کیا تھا۔راجہ

محمد اسلم خان مرحوم قرآنی اوصاف کے مالک تھے اور معاشرے میں بھی انہی اخلاقی فضائل کو قائم کرنے کی جدوجہد میں عمر بھر مصروف رہے۔ آخر میں دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے لواحقین کو صبر جمیل جیسی نعمت سے نوازے (آمین)۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆☆

سانحہ ارتحال

بزم طلوع اسلام لندن کے رکن محترم اسلم قریشی صاحب کی رفیقۂ حیات کا طویل علالت کے بعد انتقال ہو گیا ہے۔ محترم اسلم قریشی صاحب 1952ء سے تحریک سے وابستہ ہیں جبکہ وہ 1975ء سے بزم طلوع اسلام لندن کے رکن ہیں۔ ادارہ ان کے اور مرحومہ کے دیگر اعزہ واقرباء کے غم میں برابر کا شریک ہے۔ دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو کروٹ کروٹ جنت عطا کرے اور پس ماندگان کو صبر جمیل۔

نظریۂ خیر

ادارہ طلوع اسلام کے چیئرمین ڈاکٹر انعام الحق صاحب کا پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ بعنوان ''نظریۂ خیر فلسفۂ اخلاق اور قرآن کی روشنی میں'' شائع ہو گیا ہے۔ یہ فکر انگیز تصنیف ادارہ طلوع اسلام 25 بی' گلبرگ 2' لاہور سے دستیاب ہے۔ 534 صفحات کی اس کتاب کی قیمت -/300 روپے ہے۔ 50 فی صد کی خصوصی رعایت کے بعد صرف -/150 روپے میں علاوہ ڈاک خرچ ادارہ طلوع اسلام سے دستیاب ہے۔

بایزید یلدرم

صابر صدیقی صاحب کا نام طلوع اسلام کے حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے۔ طلوع اسلام ٹرسٹ سے ان کی کتابیں ابلۂ مسجد' اور کن فیکون شائع ہو کر قارئین سے خراجِ تحسین حاصل کر چکی ہیں۔ ''بایزید یلدرم'' ان کا ایک تاریخی ناول ہے جو انہوں نے بہت محنت سے لکھا ہے۔ یہ ناول ادارہ طلوع اسلام سے رعایتی قیمت -/150 روپے علاوہ ڈاک خرچ میں دستیاب ہے۔

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

عبداللہ ثانی، پشاور

دروسِ سورۃ النساء

زندہ قوموں کی سینکڑوں نشانیاں ہیں۔ان میں ایک نشانی یہ بھی ہے کہ سائنسدانوں، علماء فضلاء، دانشوروں کی ان کی زندگی میں قدر اور عزت افزائی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کرتے۔مرنے کے بعد ان کی علمی باقیات سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور ان پر عمل کرتے ہیں۔دوسری طرف وہ لوگ ہیں جو زندگی میں سائنسدانوں، علماء، فضلاء اور دانشوروں پر نہ صرف کفر کے فتوے لگاتے ہیں ان کی زندگی کے ایام ان پر تنگ کر دیتے ہیں۔یہ مردہ پرست قوموں کی علامت ہوتی ہے۔مسلمانوں میں یہ رجحان بڑی شدت سے پایا جاتا ہے۔سرسید احمد خان کی زندگی کسی سے چھپی ڈھکی نہیں زندگی میں ان کو جوتیوں کے ہار پہنائے گئے ہیں لیکن پس مرگ اور وہ بھی تقریباً ایک صدی کے بعد ان کی زندگی کے احوال اور تعلیمات کو بچوں کے تعلیمی نصاب کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔یہ ہے وہ فرق زندہ اور مردہ قوموں کا۔اگرچہ برصغیر میں بسنے والے اور بالخصوص ہمارے ملک کے باسیوں کو قوم کہنا زیادہ مناسب نہیں۔بس ایک ہجوم ہے جو صبح ناشتہ کرنے کے بعد رات کا کھانا کھا کر سو جاتا ہے اور پھر اگلی صبح ناشتہ اور یہی طرز عمل جاری رہتے ہوئے آخر بعد از مرگ دفن کر دیا جاتا ہے اور بس اس زندگی کو اللہ تعالیٰ نے انعام (جانوروں) کی زندگی سے تعبیر کیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۭ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَتَمَتَّعُوْنَ وَيَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَالنَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ (47:12)-

خدا کی اس رفاقت اور پشت پناہی کے معنی یہ ہیں کہ ان لوگوں کے ایمان اور اعمال صالح کے نتیجہ میں انہیں ایسی جنتی زندگی نصیب ہو جاتی ہے جس کی شادابیوں میں کبھی کمی نہیں آ سکتی لیکن جو لوگ اس حقیقت سے انکار کرتے ہیں (اور سمجھتے ہیں کہ زندگی بس اسی دنیا کی زندگی ہے) تو ان کی زندگی اور حیوانات کی زندگی میں کوئی فرق نہیں ہوتا وہ انہی کی طرح کھاتے پیتے، سامان زیست سے فائدہ اٹھاتے (اور مر جاتے ہیں) اس تصور زندگی کا نتیجہ (شرف انسانیت کی) تباہی اور بربادی کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔حیوانوں کی طرح جیئے، حیوانوں کی طرح مر گئے انسانی سطح زندگی ان کے نصیب میں ہی نہ ہوئی۔

آمدم برسر مطلب: میں نے کسی انگریزی محاورہ میں پڑھا ہے کہ چھوٹے لوگ لوگوں پر بحث کرتے رہتے ہیں۔اوسط لوگ واقعات پر بحث کرتے رہتے ہیں۔بڑے لوگ نظریات پر بات کرتے ہیں اور انتہائی ذہین لوگ خاموشی سے اپنا کام بلا کسی نمود و نمائش

کرتے ہیں۔انتہائی معذرت کے ساتھ اس میں راقم نے ایک اور اضافہ بھی کر دیا کہ ہماری خواتین کپڑوں پر بحث کرتی رہتی ہیں۔

ان ذہین مگر خاموش کام کرنے والوں میں محترم ڈاکٹر منظور الحق' جناب اشرف ظفر صاحب اور ان کی ٹیم کے اصحاب شامل ہیں۔ان لوگوں نے انتہائی خاموشی سے کام کیا اور جہد مسلسل کی طرح اپنے کام میں مگن تھوڑے ہی عرصہ بعد ایک نئی قابل قدر اور قابل تحسین کتاب پیش کر دی۔ درسِ سورۃ النساء پڑھنے کے بعد اس کتاب کو جیسا کہ ڈاکٹر منظور الحق صاحب نے فرمایا ہے کہ کورس میں شامل کرنا چاہئے۔ میں مستقبل کی اس امید پر اب بھی مطمئن ہوں کہ اب نہیں تو یقیناً پچاس سال کے بعد یہ کتاب علم کے ہر شعبہ کے کورس میں شامل ہوگی۔ہم نہیں ہوں گے لیکن ہماری یہ کوشش تاریخ کا حصہ بن چکی ہے۔کسی بھی اعلیٰ سے اعلیٰ عمارت کی بنیاد کی اینٹیں کبھی نظر نہیں آتیں لیکن عمارت کی خوبصورتی بنیاد کی اینٹوں کی مرہون منت رہی ہے۔

سورہ نساء میں انسانی تخلیق کو قرآن کریم کے حوالوں سے جیسا ثابت کیا گیا ہے اور اس کے مقابلے میں اسرائیلیات کو بھی پیش کیا گیا ہے۔تو ہمیں ان اسرائیلیات سے اس لئے انکار نہیں کرنا چاہئے کہ اس وقت انسان کی ذہنی سطح بس اتنی ہی تھی اور ان کی علمی کاوش کا یہی معیار تھا۔ ہمیشہ ترقی وقت کے تقاضوں کی درجہ بندی میں ہوتی ہے اور یہی معیار تنزلی کا بھی ہے۔اگرچہ اس وقت ہم روبہ زوال ہیں۔نتائج کے وقت کسی اصلاح کی امید رکھنا احمقوں کی جنت میں رہنے کے برابر ہے۔میں پورے وثوق سے عرض کرتا ہوں کہ ایک دن ایسا مقرر ہے جہاں انسان کے تمام اعمال کو انصاف کے پلڑے میں تولا جائے گا۔ ہر شخص اپنا اعمال نامہ خود گلے میں لٹکا ہوا پڑھے گا۔جب یہ کہا گیا کہ:

اِقْرَاْ كِتٰبَكَ ؕ كَفٰى بِنَفْسِكَ الْيَوْمَ عَلَيْكَ حَسِيْبًا (17:14)-

اور انسان سے کہا جاتا ہے کہ لو! اپنا نامہ اعمال خود پڑھ لو۔تمہارا حساب کرنے کے لئے باہر سے کسی محاسب کو بلانے کی ضرورت نہیں۔خود تمہاری اپنی ذات' تمہارے خلاف محاسبہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

اس وقت کوئی یہ نہیں کہہ سکے گا۔کہ: میں تو پڑھا نہیں ہوں۔

چنانچہ میں سمجھتا ہوں کہ ڈاکٹر منظور الحق صاحب' اشرف ظفر صاحب اور ان کے تمام رفقائے کار اس عظیم دن میں صاحبِ مفہوم القرآن کے دائیں جانب بیٹھے ہوں۔اگرچہ یہ ایک افسانہ ہے کہ باہر کی بقیہ عمر اس کے بیمار بیٹے ہمایوں کو مل گئی تھی لیکن میں دل کی گہرائیوں سے دست بدعا ہوں کہ میری بقیہ عمر ان لوگوں کو مل جائے جو اتنے بڑے کام اور مستقبل میں صرف قرآن کریم سے قرآن کریم کی تفہیم میں مصروف عمل ہیں۔اللہ تعالیٰ ان کو اپنے مشن کا اجر عظیم عطا کرے۔

☆☆☆☆☆☆☆☆☆

Media proposal

Allama Parwez has written in his *Nizam-i-Rabbubiyat* that in order to promote the Truth to the masses we must *harness the power of the media*.

The Tolu-e-Islam organisation has been printing its magazine as well as producing a range of literature for almost 75 years. Now we feel it is high time we bring the organisation into the 21st century and utilise modern media. We aim to broaden our range of material to make it relevant to **Muslim youth in the West**, and to make it available in the **English language**.

We have a number of dedicated and experienced media individuals who are willing to help make this happen, and who have the capability to produce regular programming for television and DVD. There will be opportunities for readers' businesses to advertise on and sponsor our programmes, and we are also open to any suggestions and ideas our readers may have on what they'd like to see.

Any readers and businesses who wish to contribute to this worthwhile project should contact Maqbool Farhat of Ilford, UK at:

Islamicdawnmedia@gmail.com

MATRIMONIAL

(SAVE A LIFE)

A Muslim male, USA qualified dual nationality over sixty years, teaching in a prestigious university in Pakistan needs a liberal, educated, life-partner strong enough to stand independently for human rights without being a terrorist. Being thoughtful, considerate and civilized is foremost priority. Caste and creed is of no consequence. No fanatic conservatives, political or any pressure groups please!

Contact: Weekends after **5.00** pm on…….**(0345-4169829)**